شائستۂ بہار
جمیل ملک

شائستۂ بہار

(غزلیں)

جمیل ملک

۱۹۷۷ء تا ۱۹۹۸ء

نوید پبلشرز، این ۲۲۲، پراچہ سٹریٹ، سرکلر روڈ راولپنڈی

فون نمبر:۔ ۵۵۹۶۲۰

انتساب

اپنی محبوبۂ زندگی، نسیم اختر جمیل کی رفاقت میں،

نسیمِ نوبہار اور منزلِ جمیل کے نام

○

○

اگر بہار بھی شائستۂ بہار نہ ہو
کسے بہار سے شکوے گلے نہیں ہوتے

○

دل کی آنکھوں سے جو دیکھیں تو دریچہ ہے غزل
اور افلاک سے اترے تو صحیفہ ہے غزل
پھلجھڑی وہ کہ ستاروں کی لڑی کیا ہو گی
سلگ اٹھے تو عجب طرفہ تماشا ہے غزل
پھول ہی پھول' ہر اک پھول کی خوشبو ہے جدا
کتنی شاخیں ہیں مگر شاخِ شگفتہ ہے غزل
اِس طرف زخم ہیں اور سروِ چراغاں کی بہار
اُس طرف دھند ہے اور خواب دریچہ ہے غزل
اس سے کھُلتے ہیں سب اسرار کے در آہستہ
کھوج میں دل کا مسافر ہے جزیرہ ہے غزل
دل میں مچلے تو ہے دھڑکن کی طرح آوارہ
لب پہ آ جائے تو سنگیت ہے نغمہ ہے غزل
حلقہ در حلقہ ہے موجوں میں تموج کیا کیا!
زندگی ایک سمندر ہے سفینہ ہے غزل
بات اتنی ہے مگر بات بڑی ہے کتنی!
بات کو ڈھنگ سے کہنے کا سلیقہ ہے غزل
جب بھی کہتا ہوں غزل روح مہک اٹھتی ہے
میں جمیلؔ اور مرے حسن کا تحفہ ہے غزل

○

○

فروزاں جذبۂ وابستگی ہوں
تو میری ہے میں تیری زندگی ہوں
سمجھ لو تم کہانی کیسی ہو گی
کہانی کا میں عنوانِ جلی ہوں
کِھلے جس سے گل و گلزار کتنے!
میں اک ایسی زبانِ بے کلی ہوں
کئے ہیں جس نے پردے چاک شب کے
نسیمِ صبح کی وہ نغمگی ہوں
اندھیرے سے مجھے نسبت ہو کیسے!
کہ میں تو روشنی ہی روشنی ہوں
ہے جس میں گلشنوں کی نرم خوشبو
میں وہ حرفِ بقائے دوستی ہوں

ہیں جس کی دسترس میں سب زمانے
میں ایسا لمحۂ وارفتگی ہوں
نہیں پیغمبروں میں نام اپنا
مگر خاکِ رہِ پیغمبری ہوں
بہاروں نے جسے صیقل کیا ہے
میں وہ آئینۂ شائستگی ہوں
جہاں روشن ہے میری آگہی سے
میں خود کس کا جمالِ آگہی ہوں!
کبھی میں بھاگتا تھا اس کے پیچھے
جمیلؔ اب تو سراپا شاعری ہوں

○

○

ساری موج بہار ہے اپنے ہونے کی
ورنہ جھوٹے سارے رشتے ناطے ہیں

○

درد اوروں کا بھی سینے سے لگایا میں نے
گھر لٹایا تھا مگر کچھ نہ گنوایا میں نے

وہ کڑی دھوپ ہے سنولا گئے روشن چہرے
اپنے سائے میں مگر تجھ کو بٹھایا میں نے

جو بھی آئے مری صورت کا تماشا دیکھے
آرزوؤں کا عجب کھیل رچایا میں نے

آئینے ٹوٹ کے بکھرے ہیں تو دونوں گھائل
کانچ کے شہر میں کیوں تجھ کو بسایا میں نے!

وہ جو اپنا تھا ہوا آج پرایا یارو
آج تو چھوڑ دیا اپنا بھی سایا میں نے

کیسے آنسو تھے کہ پلکوں پہ نہ اب تک آئے
آپ رو رو کے زمانے کو ہنسایا میں نے

یوں تو مرنا ہے مگر موت کے گہوارے میں
دل کو جینے کا سلیقہ بھی سکھایا میں نے

کس قرینے سے محبت کی سزا کاٹی ہے
تیرا افسانہ کسی کو نہ سنایا میں نے

اب کے روٹھا ہے وہ ایسے کہ منا بھی سکوں
یوں تو ہر بار جمیلؔ اس کو منایا میں نے

○

○

زخمِ وفا کا کوئی خریدار ہی نہیں
یوسف کہاں کہ مصر کا بازار ہی نہیں

چہرہ بہ چہرہ روپ بھرے ہیں گلوں نے یوں
جیسے انہیں چمن سے سروکار ہی نہیں

ایسی سزا نہ دے کہ خدا بھی نہ تو لگے
میں شاہکار بھی ہوں، گنہ گار ہی نہیں

میرے لئے تو روح میں معبد کوئی تراش
میں صرف زلف و لب کا پرستار ہی نہیں

ہے میری دھڑکنوں میں زمانوں کا درد بھی
میں سر بہ جیب بھی ہوں، سرِ دار ہی نہیں

میں سوچتا ہوں ذات سے باہر نکل کے بھی
زندانِ آب و گِل میں گرفتار ہی نہیں

یہ زندگی، یہ خار و طرح دار زندگی
آزار ہے تو پھر کوئی آزار ہی نہیں

دھڑکا لگا ہوا ہے اسے عاقبت کا بھی
میں صرف اس جہاں کا سزاوار ہی نہیں
آسانیوں نے کتنا تن آساں بنا دیا
مشکل یہ ہے کہ راہ میں دیوار ہی نہیں
زخموں سے میں ہوں سروِ چراغاں بنا ہوا
کہتے ہیں لوگ صبح کے آثار ہی نہیں
ہے حرف و صوت و صورت و معنی مرا ہنر
اس سے حسین صورتِ اظہار ہی نہیں
ہے روحِ کائنات بھی، یزداں شکار بھی
انساں ازل سے اپنا طلب گار ہی نہیں
غالبؔ کی سوچ سے ہے جدا اپنی سوچ بھی
غالبؔ کا میں جمیلؔ طرف دار ہی نہیں

○

○

یہ بھی کہنے ہی کا اک انداز ہے
کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ گئے

○

یوں رہے آبلہ پا بر سرِ منزل پیاسے
جیسے دریا کے قریں رہ کے بھی ساحل پیاسے

اِس طرف بن گیا دریاؤں کا پانی خوناب
اُس طرف خونِ چمن پی کے بھی قاتل پیاسے

پیاس کیا کیا نہ بجھائی گئی تلواروں کی
آ گئے جب صفِ دشمن کے مقابل پیاسے

پی کے جو آئے تھے وہ اپنی ادا بھول گئے
کس قرینے سے ہوئے رونقِ محفل' پیاسے

تشنگی اتنی بڑھی خون کے دریا پھوٹے
یوں ہوئے قافلۂ شوق میں شامل پیاسے

آج تک طے نہ ہوا مرحلۂ ہجر و وصال
لاکھ آنکھیں ہوئیں سیراب' رہے دل پیاسے

پیاس صدیوں کی بجھی شوقِ شہادت سے جمیل
رقص کرتے رہے ہر دور میں بسمل پیاسے

○

○

اپنی خاموش ریاضت کا اثر بھی دیکھو
رات دیکھی ہے تو اب نورِ سحر بھی دیکھو
کیسی خوشبوئے محبت در و دیوار میں ہے
صحنِ گل دیکھ چکے ہو' مرا گھر بھی دیکھو
کوئی دستارِ فضیلت نہیں پہنی میں نے
پھر بھی اونچا ہی رہا' شوکتِ سر بھی دیکھو
حسنِ فطرت میں ابھر آئے گی تصویرِ کمال
ڈوب کر اس میں کبھی حسنِ بشر بھی دیکھو
لو لگائی ہے تو پھر آگ سے ڈرنا کیسا
عمر بھر خود بھی جلو' رقصِ شرر بھی دیکھو
اتنی گہرائی تو قلزم بھی نہ رکھتے ہوں گے
آؤ' آ جاؤ' مرا دیدۂ تر بھی دیکھو
داستانیں تو بہت عام ہیں فرزانوں کی
اپنے دیوانوں کا اندازِ نظر بھی دیکھو
دل سے جو ہو کے گزرتی ہے وہ تاریخ ہوں میں
دوستو وقت کی یہ راہ گزر بھی دیکھو
اپنے ہاتھوں سے مجھے قتل کیا ہے تو جمیلؔ
خون میں ڈوبا ہوا اپنا ہنر بھی دیکھو

○

○

خورشید و ماہتاب مری جستجو کے نام
یہ زندگی تمام، تری آرزو کے نام
میرا بھی حسن تیری طرح لازوال ہو
وہ سیلِ نور بھیج مری آبجو کے نام
کس کس کا میں جواب لکھوں حرف و صوت سے
مکتوب آ رہے ہیں بہت رنگ و بو کے نام
وہ نقطۂ وصال ہی معراجِ عشق ہے
جب ایک دھن پہ رقص کریں ما و تو کے نام
جب بھی ہوس نے ہاتھ بڑھایا تری طرف
جاں نذر کرنے آئے تری آبرو کے نام
کھیتوں کی، چمنیوں کی بڑھائیں گے آبرو
بدنام ہو گئے ہیں بہت کاخ و کو کے نام
محبوبۂ چمن ہو کہ رنگِ دلِ وطن
خونِ دلِ جمیلؔ اسی سرخرو کے نام

○

○

تری نگاہ نے بدلے ہیں فیصلے کتنے
ذرا سی دیر میں ٹوٹے ہیں سلسلے کتنے

جو ایک پل کو اٹھی اور اتر گئی دل میں
اس اک نظر سے ہیں پیدا مغالطے کتنے

چلا گیا ہے تو کیسا غرور ٹوٹا ہے
وہ ہم سفر تھا تو دل میں تھے حوصلے کتنے

اُدھر لبوں پہ نہ آیا مکالمہ کوئی
اِدھر نگاہ نے بھیجے مراسلے کتنے

محبتوں کا بھی دم گھٹ گیا تو کیا ہو گا
الجھ گئے ہیں دلوں کے معاملے کتنے

جو بات کہہ نہ سکے بن گئی وہ انگارہ
پڑے ہیں گنگ زبانوں پہ آبلے کتنے

ہزار راہ میں ہوں نفرتوں کی دیواریں
دل و نگاہ میں قائم ہیں رابطے کتنے

سوال یہ ہے کہ کندن کوئی بنا کہ نہیں
جلی جب آگ پتنگے تو جل بجھے کتنے!

نہ کام آئیں جہاں خود پسند تلواریں
وہاں قلم نے دکھائے ہیں معجزے کتنے
انہی کی خاک تو ہے منزلوں کا سرمایہ
لٹے ہیں راہ نوردوں کے قافلے کتنے
شکست کھا کے رہے اپنی خود کلامی سے
کئے ہیں یوں تو غموں نے محاصرے کتنے
انہی کا ہاتھ بھی ہے وقت کی طنابوں پر
جو جانتے ہیں دلوں میں ہیں فاصلے کتنے
بس ایک پیار کی خوشبو ہے روشنی کی سفیر
لہو لہو ہیں بہاروں کے زائچے کتنے
ورق ورق مرے فن کے چراغ روشن ہیں
ہر ایک لفظ نے کاٹے ہیں مرحلے کتنے
جسے جمیلؔ شعورِ حیات کہتے ہیں
اس ایک رہ سے نکلتے ہیں راستے کتنے

○

○

ہو گیا میں بھی خوبرو تجھ سے
ورنہ میں اس قدر جمیل نہ تھا

○

نگاہ و دل کے بیاں سلسلے نہیں ہوتے
یہ وہ سفر ہے جہاں راستے نہیں ہوتے
تمہارے شہر میں دو چار دل جلے ہیں تو کیا
تمہی بتاؤ کہاں دل جلے نہیں ہوتے!
چمن میں رہ کے بھی دل میں شگاف ہیں اتنے
کہ اب تو پاؤں میں بھی آبلے نہیں ہوتے
انہی کے دل میں بھڑکتی ہے آتشِ گل بھی
جو لوگ سایۂ گل میں پلے نہیں ہوتے
اگر بہار بھی شائستۂ بہار نہ ہو
کسے بہار سے شکوے گلے نہیں ہوتے!
اگر خلوص ہو جینے میں اور مرنے میں
حیات و موت میں یہ فاصلے نہیں ہوتے
جو اپنی جان بھی دے ذات کی عدالت میں
ہر ایک شخص میں یہ حوصلے نہیں ہوتے
تو اپنی ذات میں سب سے بڑا عجوبہ ہے
ترے دیار میں اب معجزے نہیں ہوتے
جمال چاند میں تیرا جلال سورج میں
جمیلؔ تیرے کہاں تذکرے نہیں ہوتے!

○

○

سلگ سلگ کے بجھیں دل میں خواہشیں ساری
برس گئی ہیں کہیں اور بارشیں ساری

ہمیں تو کچھ نہ ملا ایک دردِ دل کے سوا
نہ جانے کس پہ ہوئیں ہیں نوازشیں ساری!

گئے تو تم سے رہی ہیں شکایتیں کیا کیا
تم آ گئے تو گئیں دل سے رنجشیں ساری

بتا گئی ہیں سنبھلنے کے زاویے کتنے!
محبتوں کے سفر میں یہ لغزشیں ساری

تری تلاش میں کل تک تھے دھڑکنوں کے سفیر
ہیں آج میرے تعاقب میں گردشیں ساری

جواں رہے یوں ہی جذبے تو ٹوٹ جائیں گی
جمیلؔ راہ میں حائل یہ بندشیں ساری

○

○

کبھی گلاب، کبھی آفتاب جیسا ہے
مرا جمال بھی تیرے شباب جیسا ہے
جدا جدا ہی سہی ہم سوال کی صورت
ترا جواب تو میرے جواب جیسا ہے
تہی بتا میں حقیقت کہاں تلاش کروں
تو سامنے ہے مگر پھر بھی خواب جیسا ہے
ہوس کی آنکھ تجھے دیکھ لے، خدا نہ کرے
تو حسن ہے ترا جلوہ حجاب جیسا ہے
ہر ایک شخص کی ہے داستاں مگر اپنی
ہر ایک شخص کا چہرہ کتاب جیسا ہے
ہجومِ اشک سے کب پیاس بجھ سکی لوگو
یہ آنسوؤں کا سمندر سراب جیسا ہے
شفق میں جیسے لہو گھل گیا ہو وقتِ سحر
تمام رنگِ جہاں انقلاب جیسا ہے
یہی عذاب کبھی دشمنوں کے گھر جائے
مرے وطن پہ مسلط عذاب جیسا ہے
جمیلؔ اپنے لئے مے اگر نہیں نہ سہی
ہمیں تو ذائقۂ فن شراب جیسا ہے

○

○

ازل سے جو ہے اکیلا وہ پیار ہے اپنا
دل اس نگر میں غریب الدیار ہے اپنا

ہوئی ہیں ہم سے محبت میں لغزشیں ایسی
کہ آئینے سے بھی دل شرمسار ہے اپنا

ہمارے سامنے نفرت سے اس کا نام نہ لو
وہ خار بھی ہے تو کیا پھر بھی یار ہے اپنا

کسی کو زحمتِ پرسش بھی اب نہیں ہو گی
تری نگاہ سے حال آشکار ہے اپنا

بہت دنوں سے ہوا بھی ہے کسمسائی ہوئی
کھلی فضا میں بھی دل بے قرار ہے اپنا

دیارِ ذات میں یہ فاصلے نہ تھے پہلے
بچھڑ چکا ہوں مجھے انتظار ہے اپنا

فضائے جبر میں ہم سانس لے تو سکتے ہیں
تمہی کہو کہ یہ کم اختیار ہے اپنا
قدم قدم پہ لٹے اور نشانِ راہ بنے
قدم قدم پہ سفر یادگار ہے اپنا
سحر تو آئی مگر باغباں چمن سے اٹھا
بھری بہار میں دل سوگوار ہے اپنا
نہ جا کے آئیں گے' خوشبو تو چھوڑ جائیں گے
خزاں گزیدہ ہیں' مسلک بہار ہے اپنا
نہ تھم سکے گا رگِ شاخ سے لہو' جب تک
جمیلؔ پھول کے پہلو میں خار ہے اپنا

○

○

دل میں شعلہ سا جب بھڑکتا ہے
ہر بُنِ مو میں دل دھڑکتا ہے

○

اِس کو لاحاصل کا غم ہے، اُس کو غم حاصل کا ہے
قرب میں دوری۔ نوشتہ موج اور ساحل کا ہے
جس طرف ہم ہیں رواں زلفیں بھی زنجیریں وہاں
اور پیچ و خم سے آگے راستہ منزل کا ہے
اپنے دل میں اور ہی کچھ سوچ کر آئے تھے ہم
رنگ ہی بدلا ہوا لیکن تری محفل کا ہے
قتل بھی کرتا ہے لیکن ہاتھ بھی آتا نہیں
تیرے میرے خونِ دل میں ہاتھ کس قاتل کا ہے!
پردۂ محمل اٹھا کر دیکھ لو کچھ بھی نہیں
دوستو یہ کھیل سارا پردۂ محمل کا ہے
جسم سے باہر بھی تکمیلِ جہاں کرتا ہوں میں
جسم کے اندر بھی اک مسکن کسی کامل کا ہے
ایک ہی مٹی نے سب پیکر ابھارے ہیں جمیلؔ
فرق ہے کوئی اگر تو اپنے اپنے دل کا ہے

○

○

کرن کرن میں فروزاں تھے آفتاب کے پھول
سحر ہوئی تو مہکنے لگے گلاب کے پھول
اگر کھِلے تو فقط میرے روبرو ہی کھِلے
ترے لبوں کے یہ غنچے ترے حجاب کے پھول
کوئی سوال کرے یا ترا جواب نے
سوال سے بھی حسیں تر، ترے جواب کے پھول
اِنہی کے دم سے تو ہے میرے گھر کی آبادی
مسل کے جاؤ نہ یوں خانماں خراب کے پھول
ہر ایک کوچۂ جاناں ہے کوچۂ قاتل
گلی گلی میں ہیں بکھرے ہوئے شباب کے پھول
لٹی لٹی سی ہے ایسے زمین کی خوشبو
فلک پہ جیسے بھٹکتے پھریں سحاب کے پھول
مثالِ حرف سدا میرے پاس رہتے ہیں
تری وفا سے تو اچھے ہیں یہ کتاب کے پھول

مہک دلوں میں، نہ ذہنوں مین روشنی ان کی
سجا کے لائے ہو کس دیس سے نصاب کے پھول!
لہو لہو ہیں حقیقت کے خارزاروں میں
سدا سراب سے چنتے رہے جو خواب کے پھول
میں بحرِ زیست کی گہرائیوں کا طالب ہوں
کہ یہ حباب تو ہیں صرف سطحِ آب کے پھول
بہار آئے گی ایسے کہ پھر نہ جائے گی
مرے لہو سے کھلیں گے جب انقلاب کے پھول
بہت گراں ہیں تو کیا رائیگاں نہ جائیں گے
یہ میرے شعر مرے حسنِ انتخاب کے پھول
جمیلؔ دل کے لئے بن گئے ہیں انگارے
خبر نہ تھی کہ جلا دیں گے یہ شباب کے پھول

○

○

نہ سوچی اور نہ سمجھی جا رہی ہے
کہانی خود ہی لکھی جا رہی ہے

○

آواز مرے دل سے نکلی اور دشت و دمن میں پھیل گئی
کیا آگ فروزاں تھی گھر میں جو سارے چمن میں پھیل گئی
اٹکھیلیاں کرتی جاتی ہے کیوں لالہ و گل سے بادِ صبا!
میں نے ایسی کیا بات کہی جو صحنِ چمن میں پھیل گئی!
کوئی راز نہ میرا راز رہا جب تو سرِ محفل بول اٹھا
یوں بات مری تنہائی کی اربابِ سخن میں پھیل گئی
دل زور سے دھڑکا ہے اپنا' یا تو نے پکارا ہے مجھ کو!
آواز ہے یا اک بجلی سی آ کر مرے تن میں پھیل گئی!
سینوں کی مہک پامال ہوئی' ذہنوں کا اجالا ڈوب گیا
وہ خوئے قفس' وہ بوئے ہوس' ایک ایک بدن میں پھیل گئی
یوں تو مجھے تو نے مار دیا' میں زندہ ہوں میں مر نہ سکا
مرے خوں کی پھبن' مری روحِ بدن' ترے دل کی چبھن میں پھیل گئی
تو روحِ ابد کی خوشبو ہے' مری سانسوں میں ترا جادو ہے
تب موت آئی' تب جا نکلی' جب تو مرے فن میں پھیل گئی

○

○

زہر رس میں تم نے بھی گھولا نہیں
دل بھی لیکن اس قدر بھولا نہیں

اس میں کچھ کچھ اپنی بھی رسوائی تھی
ہم نے تیرا بھید بھی کھولا نہیں

جوہری! کیسے ہو تم جوہر شناس!
تم نے میرے پیار کو تولا نہیں!

سنگدل ہاتھوں سے پتھر گر پڑے
سب ہی مجرم تھے، کوئی بولا نہیں

رات بھر ہم دستکیں دیتے رہے
رات نے در صبح کا کھولا نہیں

وہ ہمیں سچ کیا سکھائے گا جمیلؔ
جس نے اپنے دل سے سچ بولا نہیں

○

○

کسی مالی سے بھی ہو گی نہ تری رکھوالی
تو نے چہرے پہ سجا لی، مرے دل کی لالی

مڑ کے دیکھا تو وہ پل بھر میں مجھے چھوڑ گئی
وہی خواہش کہ جو سینے میں تھی برسوں پالی

کن اندھیروں میں ہوا گم مرا خورشیدِ جمال
صورتیں چاند سی، ایک ایک ہیں دیکھی بھالی

اپنی پلکوں پہ تو لوگوں کی منڈیروں پہ چراغ
شہر بھر میں کہیں ایسی نہ ہوئی دیوالی

دور ہی دور سے ترسا کے گزر جائیں گی
یہ گھٹائیں نہیں اے دوست برسنے والی

○

○

تو آئینے کے مقابل ہے وہ کہیں ہو گا!
تھا ایک شخص، تجھے یاد بھی نہیں ہو گا!
نگاہِ حسن ہی معیارِ حسن ٹھہرے گی
نظر میں جو بھی سمایا وہی حسیں ہو گا
تمہاری بات بہت شوخ و دلبرانہ سہی
تمہاری بات کا لیکن کسے یقیں ہو گا!
سنا ہے دل کے خزانے پہ سانپ ہوتا ہے
جو ہم نشیں ہے وہی مارِ آستیں ہو گا
جو اپنے ہاتھ سے خود زندگی پلائے گی
مرے لئے تو وہی زہر انگبیں ہو گا
نگاہ و فکر کے وہ مرحلے بھی طے ہوں گے
جب آسمان بھی ہم پایۂ زمیں ہو گا
کبھی وہ رخ سے ڈھلک جائے گا صدف بن کر
کبھی وہ دل کے سمندر میں تہ نشیں ہو گا

ق

چھپے گا چاند کبھی سرمئی گھٹاؤں میں
درونِ زلف کبھی حسنِ سرمگیں ہو گا
پلک جھپک میں یہ بادل برس ہی جائیں گے
ہر ایک قطرۂ سنبل' گہر جبیں ہو گا
وہ جس کے ناز میں ہوں گے نیاز کے پہلو
جلیسِ شام اک ایسا ہی نازنیں ہو گا
جو اپنے سینے میں رکھتے ہیں شاعر و فنکار
کسی کے پاس نہ ایسا کوئی نگیں ہو گا
یہی ہوا ہے یہی ہو گا تیرے ساتھ جمیلؔ
کہ تیرے بعد ترا ذکرِ دل نشیں ہو گا

○

○

ہاں مگر اتنی مختصر تو نہ ہو
زندگی میرا انتخاب سہی

○

بچھڑ گئے اس طرح وہ ہم سے کہ پھر کبھی یاد بھی نہ آئی
جمیلؔ یوں گھٹ کے رہ گئے ہم لبوں پہ فریاد بھی نہ آئی
کسی کو یوں آنکھ بھر کے دیکھا کہ اپنے ہاتھوں ہی لٹ گئے ہم
جو روحِ آبادیٔ نظر تھی وہ خانہ برباد بھی نہ آئی
وہ زخم دیتے ہمارے دل کو کہ تا ابد یادگار رہتا
وفا کا مطلب تو کیا سمجھتے، تمہیں تو بیداد بھی نہ آئی!
ہمارے دل پر لہو کی بوندیں بہارِ تازہ کی دستکیں ہیں
چمن میں رہتے ہو اور تم کو یہ بوئے آزاد بھی نہ آئی!
زمین ساری چمن پرستوں کے خون سے سرخ ہو چکی ہے
تمہارے لب پر تو مرنے والوں کی ایک روداد بھی نہ آئی!
تلاش میں کب سے آرزوؤں کے شاہزادے بھٹک رہے ہیں
کسی جھروکے سے اڑ کے باہر کوئی پری زاد بھی نہ آئی
خرابۂ جاں پہ کیسے تعمیرِ نو کریں ہم! جمیلؔ بولو
جب اپنی پہچان کھو چکے ہم تو کام اولاد بھی نہ آئی

○

○

تیری نظروں میں تو ہر شخص کے جوہر نکلے
پھر بھی کیوں ترے معیار سے کم تر نکلے!
دشمنوں سے بھی زیادہ وہ ستم گر نکلے
ہم جنہیں پھول سمجھتے تھے وہ پتھر نکلے
جب سوئے دشت چلے اور ہی سانچے میں ڈھلے
گل زمینوں پہ بہت خواب کے پیکر نکلے
ہم تو سمجھے تھے کہ کلیاں ہیں نہ کانٹے ہیں نہ پھول
شہرِ دل میں تو عجب طور کے منظر نکلے
تیرگی کم نہ ہوئی پھر بھی سیہ خانوں کی
یوں تو کتنے خم و ساغر، مہ و اختر نکلے!
منہ سے دعویٰ تو کیا سب نے مسیحائی کا
وقت آیا تو ہر اک ہاتھ میں خنجر نکلے

دور ہی دور سے باہر کا نظارہ کر لو
کس میں ہمت ہے کہ اب شہر کے اندر نکلے!
ایک آسیب سا بیٹھا ہے دلوں میں چھپ کر
شب کو خورشید نظر آئے اگر ڈر نکلے
اب تو شکلوں کی بھی پہچان ہوئی ہے مشکل
راہ زن جن کو سمجھتے تھے، وہ رہبر نکلے
دیکھتے دیکھتے صدیوں کا سفر ختم ہوا
قلزمِ وقت کے ایسے بھی شناور نکلے
روشنی کشف و ریاضت ہی سے ملتی ہے جمیلؔ
ذات کے غارِ حرا ہی سے پیمبر نکلے

○

○

تری آہٹ، تری خوشبو تو نہیں!
مری سانسوں میں کہیں تُو تو نہیں!

وادی وادی گلشن گلشن پھیلی آگ چناروں کی
وقت کو پھر یاد آئی بھولی بسری بات بہاروں کی
صدیوں سے جو دل میں دبی تھی جس کا بیاں تھا جرم یہاں
آنکھوں آنکھوں میں چل نکلی ہے وہ بات اشاروں کی
قدم قدم پر ہر ہر دل میں دھڑکن دھڑکن جاگ اٹھی
جوشِ نمو سے یوں چھاتی دھڑکی سب راہ گزاروں کی
جن کو خار سمجھ کر پھولوں نے سب رشتے توڑ دیئے
گلزاروں میں آج حکایت عام ہوئی ان خاروں کی
جو ہم کو رستہ دکھلا کر اپنا رستہ بھول گئے
گرد ابھی تک اڑتی رہتی ہے ان شاہ سواروں کی
جنم جنم کے بچھڑے ہوئے پھر اک مرکز پر آن ملے
دیکھ دعا مقبول ہوئی ہے آخر ہجر کے ماروں کی

○

(وادیٔ کشمیر کے نام)

توڑ کر پاؤں کی زنجیر بھی ہم دیکھیں گے
خواب دیکھے ہیں تو تعبیر بھی ہم دیکھیں گے
وہ جو تصویر خیالوں میں بسا رکھی ہے
دیکھ لینا وہی تصویر بھی ہم دیکھیں گے
آج بنیاد تو رکھ دی ہے بہت دیر کے بعد
وقت آنے کو ہے تعمیر بھی ہم دیکھیں گے
وہ جو مٹی میں ملاتے رہے ہیرے موتی
کیا نہیں جانتے توقیر بھی ہم دیکھیں گے!
خاک اڑاتے رہے اپنے ہی وطن میں تو کیا!
اب اسی خاک کو اکسیر بھی ہم دیکھیں گے
ظلمتِ شب میں بھٹکتے رہے صدیوں لیکن
جب سحر آئے گی تنویر بھی ہم دیکھیں گے
درد اپنا ہی نہیں درد ہے دنیا بھر کا
اب اسی درد کی تاثیر بھی ہم دیکھیں گے
وادی وادی کو جہنم میں بدلنے والو
ایک دن جنّتِ کشمیر بھی ہم دیکھیں گے
چہرۂ صبح پہ آیات جو لکھی ہیں جمیلؔ
ان کی ہر باغ میں تفسیر بھی ہم دیکھیں گے

○

(کشمیر کے حرّیت پسندوں کے نام)

○

یہ تپتے سے دن، یہ سلگتی سی خاموش راتیں
یہاں بن گئیں اپنی جیتیں بھی سنگین ماتیں
کدھر جائیں ہم زندگی کی مسافت کڑی ہے
لٹیرے ہیں ہر سُو، اِدھر بھی اُدھر بھی ہیں گھاتیں
وہاں زندگی کس کنارے چلے کون سے گھاٹ اترے!
جہاں پاؤں شل اور ہونٹوں پہ باتیں ہی باتیں
عجب زندگی ہے، عجب کھیل ہیں اس کے پیارے
کہیں جا رہے ہیں جنازے، کہیں آ رہی ہیں براتیں
خدا جانے کس کس کے گھر کا دیا بجھ گیا ہے!
ہمیں چاند راتیں بھی لگتی نہیں چاند راتیں
محبت کو کانٹوں کی میزان پر تو نہ تولو
وہ بستی ہے دل کی جہاں ایک ہیں ساری ذاتیں
جمیلؔ ان کے ٹوٹے گھروندوں میں دلہن بھی لاؤ
سدا جن کے دل میں اترتی رہی ہیں براتیں

○

○

بچے بالے مست مگن ہیں کیسے کیسے کھیلوں میں!
دل، صدیوں سے پیاسا دل، تنہا تنہا البیلوں میں
روپ سروپ کے پیچھے پیچھے نگری نگری یوں بھاگوں
جیسے کوئی بھولا بالک کھویا کھویا میلوں میں
ذات کی ڈور میں مڑ کر دیکھے اتنی فرصت ہے کس کو
دل کی چتا کون سنے گا سانس کے لاکھ جھمیلوں میں!
اس کے بعد خدا جانے اب کون سا اسٹیشن آئے!
عمر تو ساری بیت گئی ہے آتی جاتی ریلوں میں
تن پنجروں میں من کے پنچھی یوں دن رات پھڑکتے ہیں
جیسے ہو خوشبو کلیوں میں، جیسے قیدی جیلوں میں
سب سے بڑی بولی پر بھی کب دل والے دل دیتے ہیں!
اور اگر بکنے پر آئیں بک جاتے ہیں دھیلوں میں
دل کے گرد فقط یادوں کا ہالا سا رہ جاتا ہے
ورنہ سب کچھ بہہ جاتا ہے وقت کے قاتل ریلوں میں
سارے تن میں لہراتی ہے ایسے من کی جوت جمیلؔ
جیسے میٹھے رس کی لہریں، انگوروں کی بیلوں میں

○

○

خود اپنے بوجھ سے بت گر کے پاش پاش ہوئے
ہم اس ادا سے ضمیرِ جہاں پہ فاش ہوئے
کبھی بہار کی ٹہنی پہ پھول بن کے کھلے
صبا کے ساتھ کبھی حسن ارتعاش ہوئے
کبھی تھے ابلقِ ایام پر سوار کبھی
نہ جو اٹھائی کسی نے کبھی وہ لاش ہوئے
جمالِ ذات میں جو ڈوب کر نہیں ابھرے
کسے خبر کہ سراپا تری تلاش ہوئے!
تمہارے پاس ہیں سورج بھی چاند تارے بھی
مگر وہ لوگ کہ جو کشتۂ معاش ہوئے!
خیال و فکر کے پیکر تراشنے والے
نمودِ فن کے لئے خود بھی قاش قاش ہوئے
جمیلؔ عصر کا خوں پیکروں میں بول اٹھا
ہم اپنے وقت کے ایسے صنم تراش ہوئے

○

○

جو نہ دیکھا تھا کسی نے ایک خواب ایسا بھی تھا
جاگتی آنکھوں میں روئے انقلاب ایسا بھی تھا

اتنے آوارہ نہ ہوں گے آفتاب و ماہتاب
وقت پیچھے رہ گیا تھا اضطراب ایسا بھی تھا

پوچھتی تھی حالِ دل ہم سے لپٹ کر موج موج
قلزمِ جاں کی رگوں میں پیچ و تاب ایسا بھی تھا

کر دیا سیراب جس نے ناگہاں صحرائے دل
ریگزارِ زندگی میں اک سراب ایسا بھی تھا

گردشِ خوں میں مہک ساری اسی کے دم سے تھی
جو مرے دل میں دھڑکتا ہے گلاب ایسا بھی تھا

"تم ہی سچائی ہو" لمحے نے کہا اور چھپ گیا
سب خیالوں، سب سوالوں کا جواب ایسا بھی تھا

ان گنت سورج ہوں جیسے آسماں در آسماں
ہم سے پہلے وہ حجاب اندر حجاب ایسا بھی تھا

کوئی اس کے بعد آنکھوں میں کہاں جچتا جمیلؔ
ساری دنیا میں ہمارا انتخاب ایسا بھی تھا

○

○

دہشت سے ساری خلقت سودائی ہوئی
چاند گہن میں رات ہے یوں کفنائی ہوئی
چاند نے خود ہی سورج کا منہ ڈھانپ دیا
سب قدریں، سب نسلیں ہیں گہنائی ہوئی
جیسے ہم پتھر کے دور میں رہتے ہیں
شیشے کی تہذیب ہے یوں پتھرائی ہوئی
بات کریں تو سننے والا کوئی نہیں
بات پلٹ جاتی ہے لب پر آئی ہوئی
عزت داروں کی عزت بھی ساتھ گئی
گلی گلی میں یوں اپنی رسوائی ہوئی
سوچو اڑ کر راکھ کہاں تک جاتی ہے
یوں تو بجھ جاتی ہے آگ لگائی ہوئی
زیست کا سارا قرض چکانا پڑتا ہے
یوں تو ٹل جاتی ہے موت بھی آئی ہوئی
جینے کی اب کون سی صورت باقی ہے
ایک زبان تھی وہ بھی آج پرائی ہوئی

پہلے سارے بندِ قبا خود کھول دیے
زندگی اب کیوں کہتی ہے، رسوائی ہوئی

ق

پہلے سب کے گھر میں خود مہمان ہوئی
ہرجائی اب پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

میری پلکوں پر دو آنسو شام ڈھلے
جیسے تیری دو آنکھیں کجرائی ہوئی

خالی ہاتھ کھڑا ہوں یوں دروازے پر
گھر کے اندر چور، مری تنہائی ہوئی

آج ابھر آئی ہر لفظ کے چہرے پر
جانے کب کی چوٹ تھی دل پر کھائی ہوئی!

مر کر بھی آرائشِ ہستی یاد رہی
جیتے جی کیا کیا عالم آرائی ہوئی

راہِ طلب میں اور بڑھے ہم اور بڑھے
جتنی بار جمیلؔ اپنی پسپائی ہوئی

○

○

مطمئن، نامطمئن ہر قہر میں
کوئی ہم سا بھی نہ ہو گا شہر میں
کیسی ہلچل سی مچی تھی بحر میں!
ہر کوئی تھا اپنی اپنی لہر میں
اُس کنارے سے نہ تھا کوئی پیام
کشتیاں کتنی بہائیں نہر میں!
جھلملائے دل میں یادوں کے چراغ
قمقمے روشن ہوئے جب شہر میں
جینے والوں کا لہو تریاق تھا
تم نے کیا کیا کچھ ملایا زہر میں!
پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم مجرم نہیں
قتل کرتے ہیں کھلی دوپہر میں
عمر کاٹی ہے مگر کیسے جمیلؔ!
اپنے گھر میں یا پرائے شہر میں!

○

○

وہ جو عرفاں کی روشنی دیکھیں
پہلے آشوبِ آگہی دیکھیں
موت ہی ان کا فلسفہ ٹھہرے
خوف میں بھی جو دلکشی دیکھیں
ہے اُدھر داغ، چاند کا سینہ
اور اِدھر لوگ چاندنی دیکھیں
کل کا گھوڑا تو ہم نے دیکھ لیا
آؤ اب کل کا آدمی دیکھیں
ہے پسِ آئینہ بھی کیا کیا کچھ
میری آنکھوں سے بھی کبھی دیکھیں
طاق پر ہے یہ کون سی تصویر
آشنا تھا جو اجنبی، دیکھیں

شاخ در شاخ چہچہاہٹ ہے
کھلتے غنچوں کی نغمگی دیکھیں
موت چھوتی نہیں شہیدوں کو
سرخ مٹی میں زندگی دیکھیں
زخمِ تازہ کوئی تلاش کریں
جب کبھی شوق میں کمی دیکھیں
شاعری بھی ہے کشفِ کعبۂ دل
گھر میں جزوِ پیمبری دیکھیں
وہ کمی بھی سمجھ نہ پائیں جمیلؔ
اور ہم لوگ ان کمی' دیکھیں

○

○

ہمارے نام لکھ دیتا ہے اپنی کلفتیں ساری
زمانہ اپنی خوشیوں میں ہمیں شامل نہیں کرتا

○

پستی کے لئے عروج بھی ہے
تاریخ کا فیصلہ یہی ہے
کیا کیا نہ اٹھائے حشر اس نے
وہ بات جو زیرِ لب کہی ہے
دل پر بھی پڑی ہے ضربِ تیشہ
آنکھوں سے بھی جوئے خوں بہی ہے
پھر کون سا سچ ہے اس جہاں میں
گر کشف و کمال گمرہی ہے!
قدریں سبھی آندھیوں کی زد میں
ہاتھوں میں چراغِ آگہی ہے
احساسِ جمال' ابد کی خوشبو
یہ چاند کی لو کبھی کبھی ہے
گلشن کا بھرم جمیلؔ اس سے
پھولوں میں جو بو رہی سہی ہے

○

○

اسی لئے تو میں یاروں میں برگزیدہ نہیں
کہ میرے لب پہ کسی شاہ کا قصیدہ نہیں
وہی تو حق ہے جو خلقِ خدا سمجھتی ہے
مری زباں پہ کوئی حرفِ ناشنیدہ نہیں
وہ دھوپ ہے کہ سبھی خشک ہو گئے دریا
جھلس گیا ہوں کچھ ایسا کہ آبدیدہ نہیں
ہوس کے ہاتھ سبھی میری پشت پر ہی پڑے
وہ عشق ہوں کہ گریباں مرا دریدہ نہیں
فلک سے گھوم کے آیا ہوں آشیانے میں
بہت دنوں سے مرا رنگِ رخ پریدہ نہیں
مثالِ سبزۂ ناداں وہ ہو گیا پامال
مثالِ سروِ تناور جو سر کشیدہ نہیں

اسے خوشی کا سلیقہ نہ زندگی کا شعور
جو غم رسیدہ نہیں جو اجل گزیدہ نہیں
ہماری سیج پہ پھولوں کے ساتھ خار بھی ہیں
یہ وہ چمن ہے جہاں لوگ چیدہ چیدہ نہیں
ہمیں سا سادہ و سرمستِ آگہی ہو گا
حصارِ جبر میں رہ کر بھی جو خمیدہ نہیں
ہے نقش، دستِ ہنر پر نگار خانۂ دل
ہمارے پاس کوئی دوسرا جریدہ نہیں
جمیلؔ یہ نہ سمجھ تیرا سر سلامت ہے
اگر تو میری طرح آج سر بریدہ نہیں

○

○

بھیڑ میں کھو جانے والوں کو کوئی نہ ڈھونڈ کے لائے
جو بھی اپنے گھر سے نکلے بِھیڑ میں گم ہو جائے

○

دل سے نگاہ تک وہ ریاضت سمیٹ لوں
میں ساری کائنات کی وسعت سمیٹ لوں

تزئین ذات ہی کے مظاہر ہیں چار سو
بکھروں کچھ اس طرح سے کہ وحدت سمیٹ لوں

پھیلوں تو حرف و صوت کی شدت ہے میرا نام
سمٹوں تو اپنے دل میں قیامت سمیٹ لوں

منزل نہ مل سکے تو میں منزل نما بنوں
ہر ایک نقشِ پا میں مسافت سمیٹ لوں

ذرے کو چیر کر میں تراشوں جہانِ نو
لمحے میں ڈوب کر ابدیّت سمیٹ لوں

آہن کو بھی گداز کرے دستِ کارگر
محنت کی روشنی سے محبت سمیٹ لوں

کام و دہن کو ایک نیا ذائقہ ملے
یوں حسنِ نوبہار کی لذت سمیٹ لوں

کھل جائیں ایک رنگِ سخن میں ہزار رنگ
میں رنگ و نور و حسن و صباحت سمیٹ لوں
جو دردِ لادوا ہو، وہ اکسیر ہو مجھے
ہر غم کی آگہی سے مسرت سمیٹ لوں
جرم و سزا سے روح بھی چھلنی دماغ بھی
کہہ دو تو اپنے دل کی عدالت سمیٹ لوں!
کٹ جائیں ہاتھ پھر بھی لکھوں اپنے دل کی بات
تخلیقِ فکر و فن سے وہ قوت سمیٹ لوں
شہرت کے لاکھ رنگ ہیں عظمت کا ایک رنگ
روحِ روانِ وقت سے عظمت سمیٹ لوں
یوں ہی ملے گی حسنِ حقیقت کی روشنی
پہلے جمیلؔ حسنِ صداقت سمیٹ لوں

○

○

ٹھیک تو میرا ہمسایا ہے!
آدھی رات کو کون آیا ہے!

○

نگار خانۂ ہفت آسماں بہم ہو گا
مگر زمین پہ انسان کا قدم ہو گا
جو اپنے خون سے سب کے دیے جلائے گا
نظر نظر میں وہی شخص محترم ہو گا
بہت فضاؤں میں لہرا چکی ہیں تلواریں
کتابِ وقت پہ اب حکمراں قلم ہو گا
مٹا سکیں گی کہاں دشمنوں کی تدبیریں
حسابِ دوستاں دل پر اگر رقم ہو گا
ترے ستم نے اگر سب حصار توڑ دیے
غرورِ جاں کا نگہباں مرا بھرم ہو گا
سبک نہ ہوں گے اگر جان و تن کی پیاس بڑھی
یہی گلاب سا دل اپنا جامِ جم ہو گا
اب آنسوؤں سے ہے یارو نگر نگر سیراب
اب آنسوؤں سے نہ چہرہ کسی کا نم ہو گا
کسے خبر کہ وہاں اور کتنے غم ہوں گے
جہاں فریبِ غمِ روزگار کم ہو گا!
کوئی بھی بارِ امانت ہو بارِ دوش نہیں
جمیلؔ ہم سے بڑا کیا کسی کا غم ہو گا!

○

○

چاند لہجے میں جب اس نے بات کی
چھٹ گئی تاریکیاں سب رات کی

اپنی پلکوں پر ستاروں کی قطار
یوں ہیں جیسے مشعلیں بارات کی

قطرہ قطرہ دل میں یادوں کا نزول
جیسے برسیں بوندیاں برسات کی

دھڑکنوں سے ملتی جلتی ایک رو
کیا عجب دُھن ہے مرے نغمات کی!

آرزوئیں دل سے کیسے ہوں جدا
یہ تو سب کھیلی ہوئی ہیں سات کی

جیتنے کا شوق تھا ان کو بہت
مسکرا کر ہم نے بازی مات کی

بڑھتے جاتے ہیں دلوں کے فاصلے
گفتگو ہے رنگ کی یا ذات کی

اُس طرف زیرِ نگیں سب کائنات
اِس طرف مجبوریاں حالات کی

اب بھی ہیں ویسی ہی بے پروا جمیلؔ
جیسے پہلے تھیں لکیریں ہاتھ کی

○

○

تو مری ساری تمناؤں کا حاصل ٹھہرے
وہیں منزل نظر آ جائے جہاں دل ٹھہرے
تیرے ہونے سے ہے ہر عقدۂ مشکل، آساں
تو نہ ہو پاس تو آسان بھی مشکل ٹھہرے
تو وہ جادو ہے جو سر چڑھ کے بہر سو بولے
کون اب تیرے سوا رونقِ محفل ٹھہرے!
تم ہی بتلاؤ بھلا دل سے جدا ہو کیسے
وہ جو اک شخص مرے خون میں شامل ٹھہرے!
موج جب دل سے اٹھے دل ہی سمندر بن جائے
موج جب دل سے پلٹ جائے تو ساحل ٹھہرے
میں کسی اور کو الزام بھی دیتا کیسے
مرا معیارِ نظر ہی مرا قاتل ٹھہرے
کوہِ آتش کی طرح شعلہ فشاں تیرا وجود
کس میں ہمت ہے کہ اب تیرے مقابل ٹھہرے!
جس کو تکمیل کا سودا ہو رہے آبلہ پا
جس کے ماتھے پہ ہو محراب وہ کامل ٹھہرے
فن میں ہوں نور کے سوتے نہ کبھی خشک جمیلؔ
کوئی خورشید چلے یا مہِ کامل ٹھہرے

○

○

کچھ پھول سے یوں ہوئی جدائی
خوشبو نہ کسی کے ہاتھ آئی
میں دیکھتا رہ گیا خلا میں
تتلی سی اڑی، ہوئی پرائی
بنتی رہیں کچھ حکایتیں سی
ہوتی رہی اپنی جگ ہنسائی
دیکھا تو بہار جا چکی تھی
ملتی رہی ہاتھ نارسائی
بڑھتی رہیں الجھنیں جہاں کی
کرتے رہے ہم گرہ کشائی
کس کام کے تذکرے ہمارے
تم ہی سے اگر نہ داد پائی!
ہم دار پہ سرفراز ٹھہرے
حیراں تھی جمیلؔ سب خدائی

○

○

جبریلِ شعر، تیری شہادت کا وقت ہے
شام آ گئی ہے، فن کی عبادت کا وقت ہے

درویش دور دور سے چل چل کے آئے ہیں
حسن جہاں نواز، سخاوت کا وقت ہے

میں کیوں نہ من میں تن کی مروت بھی گھول دوں
آ، پچھلی رات، میری ریاضت کا وقت ہے

معیارِ عشق ہی کا تو سب اختلاف ہے
یوں تو ہر ایک وقت، محبت کا وقت ہے

غربت میں اتنی زور سے دھڑکا ہے میرا دل
جیسے مرے وطن پہ مصیبت کا وقت ہے

پیوستِ جاں ہے نیزۂ خورشید دوستو
شاید یہی تو صبحِ قیامت کا وقت ہے

خوابوں سے کتنی دیر بہلتے رہیں گے لوگ
اب انکشافِ حسنِ حقیقت کا وقت ہے

ہم دار پر ملے ہیں تو ہنس کر نہ کیوں ملیں
یہ کون سا جمیلؔ شکایت کا وقت ہے

○

○

رس جو موضوعِ سخن میں آئے
وہی پیمانۂ فن میں آئے

تو مخاطب ہو تو کیا کیا نہ مزہ
تلخیٔ کام و دہن میں آئے

تیرے ایک ایک سخن کی جھنکار
میرے لہجے کی پھبن میں آئے

یوں ہے فن میں تری آواز کا نور
جس طرح روح بدن میں آئے

ٹیس جب دل سے اٹھے، تیری پکار
میرے زخموں کی دُکھن میں آئے

میرے گھر میں بھی کوئی چاند اترے
چاند جب نیل گگن میں آئے

جس کی خوشبو میں ہو سورج کا جمال
پھول ایسا بھی چمن میں آئے

کھو گیا دشت میں لیلیٰ کا جمال
قیس جیسا کوئی بن میں آئے
وہی زندہ ہے سرِ رزمِ جہاں
سر سے پا تک جو کفن میں آئے
وہی کہتے ہیں جو سچ ہوتا ہے
وہی کرتے ہیں جو من میں آئے
ریزہ ریزہ ہو اندھیرے کی سپاہ
کاش ایسی بھی کرن میں آئے
کتنے اڑتے ہوئے آوارہ خیال
مرے بے ساختہ پن میں آئے
سچ ہے ناقابلِ تقسیم جمیلؔ
وحدتِ حسن چلن میں آئے

○

○

دوستی بھی عجیب ہوتی ہے
پھول ہنستے ہیں اوس روتی ہے

○

تُو تو جو بات بھی کہتا ہے وہ ایمان کے ساتھ
جاں نکل جاتی ہے لیکن ترے فرمان کے ساتھ

میزبانی بھی قرینے سے ہوا کرتی ہے
دشمنی اتنی بھی اچھی نہیں مہمان کے ساتھ

اُسی کم سِن نے سکھائے مجھے آدابِ جنوں
دوستی کی تھی کبھی جس دلِ نادان کے ساتھ

اس طرح پھول سے وابستہ ہے کانٹے کا خلوص
جس طرح تیری کہانی مرے عنوان کے ساتھ

سوز جب ساز سے نکلے تو تڑپ اٹھتا ہوں
کچھ رگِ ساز کا رشتہ ہے رگِ جان کے ساتھ

راکھ سے کون کھلائے گا شراروں کے گلاب
جل بجھا دل بھی اگر سوختہ سامان کے ساتھ

اسی خورشید سے آفاق کے در کھلتے ہیں
ایک ایقان بھی ہوتا ہے ہر امکان کے ساتھ

یوں تو کتنے ہیں جو بیکار جئے جاتے ہیں
وہی موجود ہے زندہ ہے جو پہچان کے ساتھ

وہ تو یوں ہے کہ اندھیرا ہے اجالے کا غلام
ورنہ شیطان لگا رہتا ہے انسان کے ساتھ

جہاں شہرت کے ترازو ہیں سبھی ہاتھوں میں
ہم وہاں آئے مگر عظمتِ دیوان کے ساتھ

خود شناسی میں اگر عشق بھی شامل ہو جمیلؔ
جان بھی تن سے نکلتی ہے بڑی آن کے ساتھ

○

○

ساری دنیا قمار خانہ ہے
ہم نے سب کچھ جوئے میں ہار دیا

○

پھولوں کے ہم رکاب تری رونمائیاں
سیکھیں چمن سے تو نے یہ کیا دلربائیاں!
خوشبو ہے بات بات میں حسنِ سلوک کی
تجھ سے حسین تر ہیں تری خوش ادائیاں
مہکا تھا تھوڑی دیر محبت کا سرخ پھول
برسوں بکھر بکھر کے ہوئیں جگ ہنسائیاں
دریائے حسن پاس مگر کم ہوئی نہ پیاس
اپنی رسائیاں بھی ہوئیں نارسائیاں
ہم اجنبی تھے پھر بھی سنوارے سبھی کے کاج
آئیں نہ اپنے کام مگر آشنائیاں
ہم نے وفا کو اور بھی دل سے لگا لیا
جب سے جہاں میں عام ہوئیں بے وفائیاں

اچھا نہیں ہوں میں تو وہ اچھے کہاں کے ہیں
کرنے دو ان کو شوق سے میری برائیاں
وہ گھر کے پھول ہوں کہ سفر کی ہو خاک دھول
اپنی تو عمر بھر کی یہی ہیں کمائیاں
منزل کی سمت راہنما بھی چلے تو تھے
رستے میں کھو گئی ہیں مگر رہنمائیاں
ان کو تو بار بار صدارت ملی مگر
پڑھتے رہے ہیں لوگ فقط کارروائیاں
تقسیم کر رہے ہیں جمیلؔ آج روشنی
کل تک تھیں آنکھ آنکھ میں تپتی سلائیاں

○

○

ایک تمہارا گھر ہے جس میں آ جاتے ہیں جب جی چاہے
ورنہ تمہارے چاہنے والے، کوئی بلائے تو جاتے ہیں

○

یوں تو ہر گام پہ اک قافلۂ رنگ ملا
لیکن اس طرح کہ ہر پھول تہِ سنگ ملا
آنکھ کھولی تو سنیں ہم نے سحر کی باتیں
جب ہوئی صبح اجالا بھی سیہ رنگ ملا
وسعتِ شہر تو نظروں میں سماتی ہی نہ تھی
شہر والوں کا مگر خانۂ دل تنگ ملا
چلتے پھرتے ہوئے بت تھے مگر آواز نہ تھی
اپنی حالت پہ ہر اک شخص یہاں دنگ ملا
قہقہوں ہی میں چھپاتے رہے ٹیسیں دل کی
ہم کو اس دور میں جینے کا عجب ڈھنگ ملا
گونج آواز کی سب رنگ تھی لیکن پھر بھی
اپنی ہی لے سے تراشا ہوا آہنگ ملا
ہر نئے موڑ پہ اک شہرِ غزل تھا آباد
ہر جگہ ایک نیا رنگ' نیا ڈھنگ ملا
دل عجب شہر تھا گھر گھر میں تھی اک ہیرِ جمیلؔ
جس کے دل کو بھی کریدا تو نیا جھنگ ملا

○

○

سادہ کاغذ پہ لکیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
دل میں ٹوٹے ہوئے تیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

اتنے تنہا ہوئے ہم لوگ کہ اب پاس اپنے
غیر آباد جزیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

کٹ چکی اپنی زباں نذر بھلا کیا کرتے!
پاس اشکوں کے سفیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

لوگ دیتے رہے ہونے کی گواہی پھر بھی
گو یہاں مردہ ضمیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

اپنی ہی ذات کے منہ بند صنم خانے میں
بانجھ لفظوں کے اسیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

سانپ کی فکر نہیں پیٹتے رہتے ہیں لکیر
شہر میں ایسے فقیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

ہم بھی اک ہیرؔ لئے پھرتے ہیں سینے میں جمیلؔ
پاس ان کے بھی تو ہیروں کے سوا کچھ بھی نہیں

○

○

اپنے سدا بہار اصولوں سے جا ملا
وہ خود بھی ایک پھول تھا پھولوں سے جا ملا

قوسِ قزح میں کتنے زمانوں کے رنگ ہیں!
قوسوں کے جھولتے ہوئے جھولوں سے جا ملا

دل میں محبتوں کا خزانہ لئے ہوئے
خوابِ عدم میں اپنے رسولوں سے جا ملا

اک عمر بادِ گردِ جہاں میں رہا مگر
اب دور روشنی کے بگولوں سے جا ملا

اس کے وصالِ یار کا منظر ہی اور تھا
یوں تو جمیلؔ تو بھی اصولوں سے جا ملا

○

(اپنے بھائی عبدالقیوم پراچہ کی یاد میں)

○

کِھلیں گے پھول تو صبحِ چمن میں آئے گا
وہ رنگ رنگ کے گل پیرہن میں آئے گا

پتنگ جل تو چکا ہے مگر برنگِ دگر
وہ ہر چراغ کی لو کے بدن میں آئے گا

میں جب بھی یاد کروں گا اسے بہ دیدۂ تر
وہ مہرباں مرے دل کی چبھن میں آئے گا

وہ حسن و روحِ رواں تھا ہر ایک محفل کی
سجے گی بزم تو وہ انجمن میں آئے گا

ملے گی اس کی' مری بات بات میں خوشبو
جو حرف بھی ترے شیریں سخن میں آئے گا

○

(اپنے بھائی عبدالقیوم پراچہ کی یاد میں)

○

کب سے افسردہ و تنہا ہیں مزاروں کے گلاب
کھو گئے زیرِ زمیں کتنی بہاروں کے گلاب!
جسم سے پھوٹتے رہتے ہیں شراروں کے گلاب
آؤ تو پیش کروں تم کو بہاروں کے گلاب
خود بھی ہرجائی تھے خوشبو بھی رہی ہرجائی
نِت نئے رنگ بدلتے رہے یاروں کے گلاب
وہ بھی موسم تھے کہ شبنم سے دُھلے تھے چہرے
عکس در عکس تھے آنکھوں میں نظاروں کے گلاب
جن کی خوشبو مری سانسوں میں گھلی جاتی ہے
آج تک یاد ہیں مجھ کو وہ اشاروں کے گلاب
اور بھی پھیلتی جاتی ہے دلوں میں خوشبو
سوکھتے جاتے ہیں یوں تو مرے پیاروں کے گلاب

جو مرے دل میں مہکتا ہے وہ ہے پھول ہی اور
یوں تو آنگن میں کھلے کتنے دیاروں کے گلاب!
دور گلزار سے، مسلے ہوئے، ٹھکرائے ہوئے
تم نے دیکھے ہیں کبھی راہ گزاروں کے گلاب!
شاخ سے ٹوٹ کے ہر شخص کے قدموں میں گرے
اتنے رسوا تو نہیں تھے یہ بہاروں کے گلاب!
آئی آندھی تو بکھر جائے گی پتی پتی
کس لئے ڈھونڈتے پھرتے ہو سہاروں کے گلاب!
عکس پانی میں مگر آپ کنارے پہ جمیلؔ
کبھی موجوں سے بھی لپٹے ہیں کناروں کے گلاب!

○

○

دن کا جگمگ جگمگ سورج، شب کا روشن چاند
پیارے، میری چاہت کے آگے ہیں دونوں ماند

○

روشنی ڈوبی تو سینوں سے سبھی کے دل گئے
روشنی آئی تو سب مہتاب چہرے کھل گئے

دونوں جانب خواہشوں کا بیکراں سیلاب تھا
موجِ دریا یوں اٹھی دونوں کنارے مل گئے

چار جانب خندہ زن تھے اجنبی چہرے کئی
اس گلی میں آج یارو ہم تو لاحاصل گئے

زلزلے آئے مکانوں میں دراڑیں پڑ گئیں
اور ہم ایسے تو اندر سے بھی جیسے ہل گئے

بیٹھ کر ہم منزلوں کے خواب ہی دیکھا کئے
گرد کھا کھا کر مسافر برسرِ منزل گئے

بستیوں کو بھی بہا لے جائے گا سیلاب کل
یا تو ہم ساحل پہ پہنچے آج یا ساحل گئے

کس کی خاطر اس قدر آرائشِ دیوار و در
کون آئے گا یہاں وہ زینتِ محفل گئے

پھر وہی جلاد چہرے، پھر وہی مقتل جمیلؔ
ہم تو سمجھے تھے کہ اب کے شہر سے قاتل گئے

○

○

جب سمندر میں تلاطم کسی عنواں آیا
بستیوں میں بھی بڑے زور کا طوفاں آیا
رقصِ خورشید نہ اندازِ بہاراں آیا
تم کو جینے کا سلیقہ نہ مری جاں آیا
غمِ جاناں نے تو سیکھا غمِ دوراں کا چلن
غمِ دوراں کو مگر راس نہ روماں آیا
کیا کبھی اوس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں!
کس کی باتوں کے بھنور میں دلِ ناداں آیا!
اس کے دل میں تو خزانے تھے زمانے بھر کے
کل ترے پاس جو اک بے سر و ساماں آیا
دل میں وسعت بھی تو آئی ہے اسی کے دم سے
اپنے ہاتھوں میں اگر چاک گریباں آیا!

دوسری بار خدا سے نہ بغاوت کر دے!
اگر انساں کا تراشا ہوا انساں آیا!
جاگ کر جس کے لئے ہم نے گزاریں صدیاں
گھر کی دہلیز پہ اب تک نہ وہ مہماں آیا
ساتھ لائے گا زلیخائے تمنا کی نوید
لوٹ کر اب کے اگر یوسفِ کنعاں آیا
کام آئے گا نہ کوئی بھی چلایا ہوا تیر
جانبِ شہر اگر غولِ غزالاں آیا
منتظر جس کے رہے صحنِ گلستاں میں جمیلؔ
آج آیا تو وہ جھونکا پسِ زنداں آیا

○

○

رستے میں تیرے کب کوئی فرعوں ٹھہر سکا
تو نے کہا تو راستہ دریا بدل گیا

O

میں آپ اپنا ہی قاتل بھی ہوں، قتیل بھی ہوں
گواہ کوئی نہیں اور خود وکیل بھی ہوں
ہیں میرے چار طرف خشک پھیلتے صحرا
جو اپنی ذات میں سیراب ہے وہ جھیل بھی ہوں
اٹوٹ ہے مرا رشتہ زمین والوں سے
میں پا گرفتہ بھی ہوں اور سنگ میل بھی ہوں
طویل اور اکیلی سیاہ راتوں میں
ستارہ بار اجالے کی سلسبیل بھی ہوں
ہے دوستوں کی محبت میں میرا دل دریا
میں دشمنوں کے لئے آہنی فصیل بھی ہوں
میں اپنی ذات میں گم ہو کے رہ نہیں سکتا
میں کائنات کی پہچان بھی، دلیل بھی ہوں
مرے وجود میں موجود ہیں گئی صدیاں
میں مختصر سی حکایت بھی ہوں طویل بھی ہوں
جمالِ شعر کی تخلیق ہے مرا حصہ
کدورتوں میں بھی رہتا ہوں اور جمیلؔ بھی ہوں

O

○

دوست کرتے رہے پیمانِ سحر کی باتیں
لیکن اس طرح کہ جیسے ہوں ہنر کی باتیں
یار، باسی ہیں بہت دور کی اقلیموں کے
گھر میں رہتے ہوئے کرتے نہیں گھر کی باتیں
رہ گزاروں سے نہ منزل سے شناسائی ہے
سب کے لب پر ہیں مگر عزمِ سفر کی باتیں
جذب و مستی سے تہی سوز و اثر سے خالی
یوں تو باتیں ہیں سبھی فکر و نظر کی باتیں
لطف تو جب ہے کہ ہم ان کے جلو میں بھی چلیں
ورنہ بیکار ہیں خورشید و قمر کی باتیں
تم کو خرمن کی ہے کیا فکر سنبھالو خود کو
لب بہ لب پھیل گئی برق و شرر کی باتیں

جب مصاحب نہ رہیں گے تو کرو گے کس سے
زینتِ تاجِ شہی' نخوتِ سر کی باتیں!
زلزلے آئے زمیں بوس ہوئے تاج محل
اب تو دیوار کی باتیں ہیں نہ در کی باتیں
رہنماؤں کا بھرم آپ ہی کھل جائے گا
ان کی باتیں تو ہیں سب شعبدہ گر کی باتیں
جب دماغوں میں ہوں بت خام خیالی کے جمیلؔ
دب کے رہ جائیں نہ کیوں حسنِ بشر کی باتیں!

○

○

راستے میں گم ہیں صدیوں کے نشاں
پھر بھی ہیں ہم کارواں در کارواں

○

یہ بھی ہے اک بہار کی صورت
شاخِ ہر گل ہے دار کی صورت

لوگ چہرے سجا کے نکلے ہیں
آج زخمِ بہار کی صورت

پھول خوشبو اڑا کے گرد ہوئے
دامنِ تار تار کی صورت

اک خلش اپنے ساتھ ساتھ رہی
دل ہے پہلو میں خار کی صورت

روح افروز ہیں تری یادیں
دل پہ نقش و نگار کی صورت

ہو گئی ختم داستاں اپنی
رہ گئے یادگار کی صورت

مسخ چہرہ جگہ جگہ سے جمیلؔ
دیکھنا، اعتبار کی صورت!

○

○

بے مہر اس طرح مری آواز چھین لے
جیسے بڑھا کے ہاتھ کوئی ساز چھین لے

ایسے لبوں سے اس نے اڑا لی ہے میری بات
جیسے ہنسی ہنسی میں کوئی راز چھین لے

انجام کی بھی اس کو کہاں فکر دوستو
پہلے جو آپ نکتۂ آغاز چھین لے!

پاگل نہ اپنے آپ سے کیونکر ہو ہم کلام
جب پاسبانِ عقل ہی دمساز چھین لے

زخمِ نیاز کیا ہے، تجھے بھی خبر تو ہو
تیرے بھی دل کا چور اگر ناز چھین لے!

سارے جہان میں ہے مرا معجزہ تہی
یہ اور بات تو مرا اعجاز چھین لے

ڈھل جائے سب کی روح میں تیرے گلے کا نور
ایسا نہ ہو کہ موت یہ آواز چھین لے!

پیدا نہ ہو سکے گی ترے فن میں میری بات
چاہے تو شوق سے مرا انداز چھین لے

ٹوٹے ہوئے پروں سے کہاں تک اڑیں جمیلؔ
جب یہ ہوا ہی وسعتِ پرواز چھین لے!

○

○

ہر جسم سے دل بچھڑ گیا ہے
اب شہر کا شہر اجڑ گیا ہے
یوں اب کے چلی ہے زرد آندھی
ہر ایک شجر اکھڑ گیا ہے
کوندوں کی ہوئی ہے اتنی بارش
چاندی سا بدن ادھڑ گیا ہے
چیخ اٹھا زمیں کا کاسۂ سر
کس شخص کا پاؤں پڑ گیا ہے
یوں آن بڑھا گیا ہے سر کی
سر جانے سے پہلے دھڑ گیا ہے
یہ لاش اٹھا کے دفن کر دو
یہ زر کا نظام سڑ گیا ہے
تاروں کا لہو برس برس کر
موتی سے زمیں پہ جڑ گیا ہے
تنکوں کی شناوری تو دیکھو
دریا بھی سکڑ سکڑ گیا ہے

○

○

تو ہے میرے پیار کا ساحل' میرا دل دریا
دو تھے لیکن ایک ہوئے ہیں اب ساحل دریا
چاندنی رات میں پگھلی چاندی برسے رم جھم رم جھم
کرنیں' موجیں رقص کریں' ماہِ کامل' دریا
لہریں تڑپ تڑپ کے میرے دل کا حال سنائیں
میری طرح سیراب اور پیاسا یہ بسمل دریا
اپنا آپ بچائیں یا منزل کی خیر منائیں
اٹھ اٹھ کر آیا ہے منزل منزل دریا
گھر میں بیٹھ کے سوچیں تو دریا دریا ساحل
چلتے جائیں تو یارو ساحل ساحل' دریا
کھیتوں کو سیراب کرے فصلوں کی آن ڈبوئے
ان داتا ہو کر بھی کیوں اتنا قاتل دریا!
کتنے گوہر کتنے موتی دامن میں بھر لائیں!
طوفانوں سے ٹکرائیں اپنا حاصل دریا
عشق کا جذبہ اٹھے پھیلے گردِ جہاں ڈھل جائے
سب کے دل میں جھوم اٹھے محفل محفل دریا
فنکاری ہے اپنا تیشہ پیشہ یہی جمیلؔ
خون رواں یوں نس نس میں جیسے شامل دریا

○

○

میں جہاں میں نقشِ ثانی تو نہیں
میرا ہونا بے معانی تو نہیں!
گرد سی کیسی ترے چہرے پہ ہے
تو نے دل کی خاک چھانی تو نہیں!
کیا چھپا رکھا ہے تو نے دل کے پاس
سچ بتا میری نشانی تو نہیں!
جھانکتی ہے جو تری تصویر سے
وہ کہیں میری جوانی تو نہیں!
کیا ہوئی وہ دوستوں کی دوستی
داستاں اتنی پرانی تو نہیں!
دھوپ ہے اور ریگ کا سیلِ رواں
جو چمکتا ہے وہ پانی تو نہیں

○

تیری آنکھوں میں گھلاوٹ ہے شرابوں جیسی
اور مری پیاس ہے بے نام سرابوں جیسی

میں بھی سرگشتہ و بیتاب ہوں سیماب صفت
تیری فطرت بھی ہے آوارہ سحابوں جیسی

جتنا میں ہاتھ بڑھاؤں یہ پھسلتی جائیں
کیفیت تیری اداؤں کی' سرابوں جیسی

تو حقیقت ہے تو پھر خواب مرے سچے ہیں
ہو بہو تیری شباہت میرے خوابوں جیسی

تیری سنجیدہ مزاجی سے مرا حسن و وقار
تیرے چہرے پہ متانت ہے کتابوں جیسی

رس میں ڈوبی ہوئی خوشبو کی طرح نرم گداز
میری بے لوث محبت ہے گلابوں جیسی

اپنی گفتار پہ نازاں تو بہت تھے ہم بھی
بات سوجھی نہ کوئی تیرے جوابوں جیسی

تم کو ملتا رہا میزانِ عدالت کا ثواب
زندگی ہم نے گزاری ہے عذابوں جیسی

میرا فن ہے مرا پردہ مرا جلوہ بھی جمیل
جس طرح صورتِ معبود حجابوں جیسی

○

کچھ عجب دستک سی دروازے پہ ہے
کوئی آفت ناگہانی تو نہیں!
ذات کے پاتال میں سمٹے رہیں
دوستو یہ زندگانی تو نہیں!
میرے دل میں ہیں زمیں کے سات رنگ
یہ دھنک سی آسمانی تو نہیں!
میرے شعروں میں ہے سب کی داستاں
یہ فقط میری کہانی تو نہیں
قطرہ قطرہ دل ٹپکتا ہے جمیلؔ
حرفِ خوں میرا، زبانی تو نہیں

○

○

تمہاری یاد سے میں اپنا گھر آباد رکھوں گا
مجھے تم بھول جاؤ گے تمہیں میں یاد رکھوں گا

○

تیری آنکھوں میں گھلاوٹ ہے شرابوں جیسی
اور مری پیاس ہے بے نام سرابوں جیسی

میں بھی سرگشتہ و بیتاب ہوں سیماب صفت
تیری فطرت بھی ہے آوارہ سحابوں جیسی

جتنا میں ہاتھ بڑھاؤں یہ پھسلتی جائیں
کیفیت تیری اداؤں کی، سرابوں جیسی

تو حقیقت ہے تو پھر خواب مرے سچے ہیں
ہو بہو تیری شباہت میرے خوابوں جیسی

تیری سنجیدہ مزاجی سے مرا حسن و وقار
تیرے چہرے پہ متانت ہے کتابوں جیسی

رس میں ڈوبی ہوئی خوشبو کی طرح نرم گداز
میری بے لوث محبت ہے گلابوں جیسی

اپنی گفتار پہ نازاں تو بہت تھے ہم بھی
بات سوجھی نہ کوئی تیرے جوابوں جیسی

تم کو ملتا رہا میزانِ عدالت کا ثواب
زندگی ہم نے گزاری ہے عذابوں جیسی

میرا فن ہے مرا پردہ مرا جلوہ بھی جمیل
جس طرح صورتِ معبود حجابوں جیسی

○

○

کوئی کہاں تک دل کو سنبھالے
رشتے سارے غرضوں والے

چہرے ہیں آئینوں جیسے
روح کی دیواروں پر جالے

راہ کے خار تو ہم چن لیں گے
دل سے کانٹے کون نکالے!

کیا منزل تک ساتھ بھی دیں گے
پاؤں کے چھالے دیکھنے والے!

عشق کو مر کر زندہ کر جا
اور کوئی دن خاک اڑا لے

جو گمنام ہی مر جاتے ہیں
وہ ہیں سپاہی، وہ ہیں جیالے

طوفانوں سے ڈرنا کیسا!
باہوں کو پتوار بنا لے

دل روشن تو آنکھیں روشن
کیسے اندھیرے کیسے اجالے!

سب کے ہاتھ میں ایک قلم ہے
جو جیسی تصویر بنا لے

کام ہے کم اور نام بہت ہے
سب چہرے ہیں دیکھے بھالے

○

○

دیکھتے دیکھتے رشتے بھی بدل جاتے ہیں
وقت بدلے تو نوشتے بھی بدل جاتے ہیں

○

جو بات ہے در گلو ہے میری
تنہائی سے گفتگو ہے میری
خونیں ہے افق افق جہاں کا
آواز لہو لہو ہے میری
دھڑکن ہی نہ ہو تو فائدہ کیا
تصویر تو ہو بہو ہے میری
دیکھو تو کہاں کہاں لٹی ہے!
کہتے ہیں کہ آبرو ہے میری
کچھ اور بھی چاہئے مجھے کیا!
رسوائی تو کوبکو ہے میری
چاہت کا گلاب کھل رہا ہے
اس میں ترا رنگ' بو ہے میری

ق

میں اولیں جستجو ہوں تیری
تو آخری آرزو ہے میری
پھر بھی ہے ہمیں تلاش کس کی!
میں تیرا ہوں اور تو ہے میری

○

○

ملی ہے گھور اندھیروں میں روشنی کیا کیا!
گہر تراش کے لائی ہے آگہی کیا کیا!
رواں ہے آتش و آب و ہوا و خاک میں بھی
چھپائے پھرتا ہے سینے میں آدمی کیا کیا!
ابھی تو ایک ہی چہرہ یہاں بہار کا ہے
پہن کے آئے نجانے صبا ابھی کیا کیا!
خرامِ ناقۂ لیلیٰ' یہ گھنٹیوں کی صدا
کھلی ہے یاد کے صحرا میں چاندنی کیا کیا!
تمھاری سنگ زنی اور ہماری رسوائی
ہے ریزہ ریزہ محبت' گلی گلی کیا کیا!
حروف بولتے ہیں' رنگ جگمگاتے ہیں
سخن شناس ہے اپنی مصوری کیا کیا!
ہیں چلتی پھرتی کتابیں جمیلؔ پیشِ نظر
لبوں پہ نقش ہیں آیاتِ زندگی کیا کیا!

○

○

تشنۂ نور ہر ایاغ رہا
شہر کا شہر بے چراغ رہا
آسماں پر جلوس تاروں کا
سینۂ دہر داغ داغ رہا
کتنی بے رنگ زندگی ہو گی
یونہی خالی اگر ایاغ رہا!
تم تو دامن چھڑا گئے ہنس کر
عمر بھر اپنے دل پہ داغ رہا
کھا گئی فکرِ روزگار ہمیں
اب کہاں عشق کا دماغ رہا!
اس تجسّس میں پا لیا خود کو
کیا ہوا گر وہ بے سراغ رہا!
فصلِ گل لوٹ لوٹ کر آئی
باغ تھا باغ اور باغ رہا
ہر کوئی تھا جمیلؔ پابہ رکاب
کس کو. حاصل یہاں فراغ رہا

○

○

کیا کیا ستم ہوئے ہیں وفاؤں کے نام پر
مارے گئے ہیں لوگ اداؤں کے نام پر
اک گلستاں تراش تھا وہ بھی نہیں رہا
گلشن بھڑک اٹھا ہے ہواؤں کے نام پر
گہنا دیئے ہیں چرخ نے خورشید و ماہتاب
تپتی زمیں کے واسطے' چھاؤں کے نام پر
وہ حبس ہے کہ سانس بھی لینا محال ہے
بڑھتی رہی ہے پیاس گھٹاؤں کے نام پر
اک مہرباں نے قوتِ گفتار چھین لی
دے کر ہمیں زبان' صداؤں کے نام پر
کیا ان کا احتجاج ہے یا ان کی احتیاج!
دیتے ہیں جو خراج خداؤں کے نام پر!

دیتے رہے ہیں ہم کو مسلسل برہنگی
وہ اپنی زرق برق قباؤں کے نام پر
حیرت تو ہے یہی نہ ہمیں آئی موت بھی
ملتا رہا ہے زہر، دواؤں کے نام پر
آزاد بازوؤں کا بھی کچھ تو بھرم رہے
کیوں بھیک مانگتے ہو خداؤں کے نام پر!
کتنی ہی سرد رات ہو جذبے نہ سرد ہوں
آئے نہ حرف شعلہ نواؤں کے نام پر
اب تو وطن کو ہم سے شکایت نہیں جمیلؔ
جاں نذر کرنے آئے ہیں ماؤں کے نام پر

○

○

دل ترے دل سے پیار کرتا ہے
یا کسی سل سے پیار کرتا ہے

○

آتشِ دل میں نہا کر ہمیں جلنا ہو گا
اب اسی طور اندھیروں کو پگھلنا ہو گا
کہنہ سانچے میں سمائے گی نہ جذبے کی اٹھان
روح کو جسم کے قالب سے نکلنا ہو گا
جب اڑی راکھ تو جل جائے گا یہ خرمنِ شب
جل بجھے ہم تو اسی رات کو ڈھلنا ہو گا
جسم کا ساتھ نہ اب دیں گے یہ شیشوں کے لباس
دوستو آئینہ خانوں سے نکلنا ہو گا
ذات کو نقطۂ پرکار سمجھنے والو
زندگانی کا یہ محور ہی بدلنا ہو گا
یہ جو طوفاں سا امڈ آیا ہے ہر جانب سے
اسی طوفاں میں اسی نسل کو پلنا ہو گا
پڑتے جاتے ہیں اندھیروں کی فصیلوں میں شگاف
رات بھر شمع کی مانند پگھلنا ہو گا
راہ ہر چند یہ مقتل ہی کو جاتی ہے مگر
اور کچھ دیر اسی راہ پہ چلنا ہو گا
سنگ پارے بھی کبھی ڈوب کے ابھرے ہیں جمیلؔ
ہم صدف ہیں تو ہمیں تہہ سے اچھلنا ہو گا

○

○

بکھرتے جا رہے ہیں خواب میرے
کہاں ہیں انجم و مہتاب میرے!
نسیں ٹوٹیں جہاں پل پل جہاں کی
وہاں کیا ساتھ دیں اعصاب میرے!
یہ گوہر سیپیوں میں کیا ملیں گے!
یہ آنسو ہیں بہت نایاب میرے
متاعِ سیم و زر ساری تمہاری
مری دولت فقط احباب میرے
کہاں پر ڈوبتا ہے کون' دیکھیں
سفینے آپ کے' گرداب میرے
بہا لے جائیں گے اونچے کلس بھی
گھروں سے جب اٹھے سیلاب میرے
جمیلؔ اقدار کے اس قحط میں بھی
وہی محفل وہی آداب میرے

○

○

اب کے وہ افتاد پڑی ہے خون آلود بہاروں پر
لوٹ رہا ہے باغ کا مالی بھی جلتے انگاروں پر
جسم ہیں باہر سے ننگے، روحیں اندر سے بوسیدہ
ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں سیم زدہ دیواروں پر
ایسی بلندی، ایسی پستی کب دیکھی تھی جیتے جی
ذرے پاؤں میں زخمی، نظریں ہیں چاند ستاروں پر
آئینوں کو جیسے صیقل کرنے والا کوئی نہیں
یوں صدیوں کی گرد جمی ہے وقت کے سب شہکاروں پر
کانٹوں نے تو ساتھ نبھایا جنم جنم تک پھولوں کا
پھول ہی خود ہرجائی نکلے، رنگ نہ آیا خاروں پر
پھولوں پر بھی نیند نہ آئی تیرے ہجر کے ماروں کو
وہ بھی ہیں جو سو جاتے ہیں دو دھاری تلواروں پر
شاہ سوار ہی شاید اپنے گھر کا رستہ بھول گئے
گرد تو اڑتی رہتی ہے برسوں سے راہ گزاروں پر
ہونی تو ہو کر رہتی ہے کب تک اس کو ٹالو گے
سرخ سیاہی سے لکھا ہے کیا کیا کچھ دیواروں پر!
شمع کی صورت گھلتے گھلتے ساری عمر جھیل گئی
سوچا بے شک ہم جل جائیں آنچ نہ آئے یاروں پر

○

○

کہانیاں تو سنائیں، سنانے والوں نے
کہاں کسی کی سنی ہے زمانے والوں نے!
گزرتا وقت رکا ہے کہاں کسی کے لئے
نہ جانے کیوں نہیں سوچا یہ آنے والوں نے!
کٹی پتنگ کہیں دور جا گری سب سے
بہت سے ہاتھ اٹھائے، اٹھانے والوں نے
جو رات کل تھی مقدر وہ رات آج بھی ہے
بہت چراغ جلائے، جلانے والوں نے
سحر ہوئی تو مرے ساتھ سو گئے وہ بھی
تمام رات جگایا، جگانے والوں نے
جو آستیں کا لہو تھا، وہی پکار اٹھا
تمام نقش مٹائے، مٹانے والوں نے
وہ اپنی آگ میں ہر بار جل بجھے خود بھی
ہزار آگ لگائی، لگانے والوں نے
بس ایک قرضِ محبت اتر سکا نہ کبھی
ہر ایک قرض چکایا، چکانے والوں نے
جو آشنا تھے وہ شہرِ وفا ہی چھوڑ گئے
جمیلؔ مڑ کے بھی دیکھا نہ جانے والوں نے

○

○

ہر اک دل میں ہے زخمِ ناتمامی
محبت کی مگر قدریں دوامی
کہاں سے ہم کو لے آئی کہاں تک
تمناؤں کی آوارہ خرامی!
اسی کو آج تک سلجھا رہے ہیں
جہاں میں رہ گئی تھی کوئی خامی
بدل جائے گی رفتارِ زمانہ
نہ بدلے گی تمہاری کج خرامی
وہی تم اور وہی تیور تمہارے
نہ کام آئی ہماری خوش کلامی
ہمیں یہ دن بھی آخر دیکھنا تھے
ملی غیروں سے اپنوں کی غلامی

اگر قدموں سے منزل روٹھ جائے
تو پھر کس کام کی یہ تیز گامی!
گنہ گاروں میں شامل کر کے ہم کو
کمائی دوستوں نے نیک نامی
بجھائی ہم نے سب کی پیاس لیکن
ملی دریا سے ہم کو تشنہ کامی
ہمیں خود اپنے ہاتھوں قتل کر کے
زمانہ ہم کو بھی دے گا سلامی
جمیلؔ اک اک کے دل سے آشنا ہے
مری دھڑکن یہ میری خود کلامی

○

○

دل کہتا ہے بیتے موسم لوٹ آئے
جب بھی کوئی خواب سہانا آتا ہے

○

کٹے محنت میں یوں سارا مہینہ
ہمارا خون ہو جیسے پسینہ
لہو جیسے ٹپک کر جم گیا ہے
ہے ہر ذرہ مرے دل کا نگینہ
سحر نے یوں قبائے زر پہن لی
جواہر میں لدی جیسے حسینہ
جو آئے جھولیاں بھر لے یہاں سے
ہمارے پاس ہے دل کا دفینہ
جو اپنے دل پہ ہم کھاتے رہے ہیں
وہ تیر آتے ہیں اب سینہ بہ سینہ
وہ ساحل ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں
کنارے جا لگا جن کا سفینہ
جدھر جائیں اُدھر خوشبو لٹائیں
بہاروں سے اگر سیکھیں قرینہ
فلک اک جست ہی کا فاصلہ تھا
اسے بھی طے کیا زینہ بہ زینہ
میں یوں نکلا تمنا کے سفر میں
رواں جیسے سمندر میں سفینہ

○

○

امنگ زندہ ہے اب تک ترنگ باقی ہے
ابھی اندھیرے اجالے میں جنگ باقی ہے

ہوا ہی کیا جو سرِ عام لٹ گئے ہم لوگ
بہت غنی ہیں کہ دل میں امنگ باقی ہے

وہ زہر دیں بھی تو کیا ہیر مر نہیں سکتی
اگر دلوں میں محبت کا جھنگ باقی ہے

ہوا چلی ہے کچھ ایسی بدل گئی ہے فضا
تری ادا کا وہی رنگ ڈھنگ باقی ہے

لہو ترنگ سے سارے چراغ جلتے ہیں
ہر ایک رنگ ہے فانی، یہ رنگ باقی ہے

زمیں سے رشتۂ جاں استوار ہے اس کا
وہ اک کلی کہ ابھی زیرِ سنگ باقی ہے

جمیلؔ تاک میں ہیں ڈور لوٹنے والے
کٹی نہیں ہے ابھی تک پتنگ باقی ہے

○

○

رہینِ زر ہوئی اس دور میں ہنر کی تلاش
کریں کہاں سے کسی صاحبِ نظر کی تلاش!
ہر ایک جھوٹ ہے یوں جھوٹ کے تعاقب میں
کہ بے بصر کو ہو جس طرح بے بصر کی تلاش
ہر ایک شخص کو درپیش ہے سفر اپنا
وہ دن کہاں کہ سبھی کو تھی ہم سفر کی تلاش!
وہ جس شجر نے ہمیں ڈس لیا تھا روزِ ازل
یہ کیا کہ تا بہ ابد ہے اسی شجر کی تلاش!
ہے بحر و بر سے فزوں تر ہماری تنہائی
کہ اپنے گھر میں بھی ہے ہم کو اپنے گھر کی تلاش
کمیں گھوں سے شکاری نکل کے آئے ہیں
بہت دنوں سے ہے ان کو ہمارے سر کی تلاش

اڑے کچھ ایسے کہ چھو آئے چاند تاروں کو
مگر نہ ختم ہوئی عظمتِ بشر کی تلاش

بھنور بھنور میں ستارے اترتے جاتے ہیں
کہ آج بھی ہے وہی عصمتِ گہر کی تلاش

وہ جس مقام سے آگے کوئی مقام نہیں
اُسی مقام پہ ہے ہم کو راہ بر کی تلاش

تجھے میں چھوڑ کے جاؤں تو اب کہاں جاؤں!
ترے وجود میں ہے اپنی عمر بھر کی تلاش

ستارہ بار فضائیں جمیلؔ کہتی ہیں
ہر ایک رات کے سینے میں ہے سحر کی تلاش

○

○

وا ہوئے اور ہی معنی بھی ترے منصب کے
تجھ کو دیکھا ہے تو قائل بھی ہوئے ہیں رب کے
ان سے مل کر بھی رہے بے سر و ساماں اب کے
وہ جو آئے تھے یہاں جا بھی چکے ہیں کب کے!
حادثہ ہے کہ رہے پھر بھی ہمی تن تنہا
ہم کہ اک اک سے ملے ناز اٹھائے سب کے
نذر کرتے رہے ہم لوگ بدن کا سونا
پھول کھلتے رہے کس شہر میں تیرے لب کے!
کوئی سورج بھی جگانے نہیں آیا اِس بار
تیرگی ٹوٹ کے برسی ہے گھروں پر اب کے
سبز پتوں پہ بھی زردی کی رواں لہر ہے کیا
کس سے پوچھیں کہ یہ موسم ہیں نرالے ڈھب کے!
بوجھ پڑتا ہے چھتوں پر تو یہ چیخ اٹھتی ہیں
بے زباں گھر کے مکیں کیسے رہیں گے دب کے!
کھو گئی کشتیٔ جاں دن کے سمندر میں کہاں!
رات کے بعد بھی آثار وہی ہیں شب کے
تجھ کو چاہا ہے تو پھر ڈھونڈ بھی لائیں گے تجھے
ہم ہی واقف ہیں تری سب سے انوکھی چھب کے

○

○

کہتے ہیں لوگ اپنا وہ جالبؔ تو مر گیا
مر کر ہر ایک دور کو زندہ تو کر گیا
جب اپنی لے میں اس نے پکارا تو یوں لگا
میں ہی نہیں یہ سارا زمانہ سنور گیا
ان کو ہے کیا خبر کہ جو چنتے ہیں سیپیاں!
وہ گہرے پانیوں میں بھنور تا بھنور گیا
جب اس نے بات کی تو سرِ دار بات کی
وہ، وہ نہیں جو اپنے ہی سائے سے ڈر گیا
زندانیوں کا دوست تھا اہلِ وطن کا پھول
کیسی ہوا چلی کہ وہ گلرو بکھر گیا
وہ کتنی کشتیوں کا سہارا بنا رہا
طوفان جس طرف بھی گئے وہ اُدھر گیا
سورج وہ تھا کہ ڈوبنا آتا نہیں جسے
ڈوبا تو ڈوب کر بھی دلوں میں اتر گیا
ہر چند پل صراط سے کم تھی نہ زندگی
وہ پل صراط سے بھی بہ عظمت گزر گیا
کچے گھروں سے اس کو بہت پیار تھا جمیلؔ
مر کر بھی جیسے وہ کہیں اپنے ہی گھر گیا

○

(حبیب جالب کی یاد میں)

○

دن کٹ گیا ہے رات گزاریں گے کس طرح!
تاروں کو آسماں سے اتاریں گے کس طرح!
بازی کوئی بھی ہم نے تو ہاری نہیں یہاں
گر ہارنی پڑی بھی تو ہاریں گے کس طرح!
دھاگے الجھ گئے ہیں کچھ ایسے کہ کچھ نہ پوچھ
بے انت الجھنوں کو سنواریں گے کس طرح!
کس کس نے ہم کو ٹوٹ کے چاہا ہے کیا کہیں!
آخر یہ سارا قرض اتاریں گے کس طرح!
ہنس کھیل کر گزار دیئے زندگی کے دن
لیکن ترے بغیر گزاریں گے کس طرح!
روٹھے ہوؤں کو آج منانے چلے تو ہیں
ہم ان کو آئینے میں اتاریں گے کس طرح!
اک جاں تھی اپنے پاس سو وہ تم پہ وار دی
اب جان ہی نہیں ہے تو واریں گے کس طرح!
جتنا لہو بدن میں تھا سب نذر ہو چکا
اب خون سے چمن کو نکھاریں گے کس طرح!
جو دور ہے صدا کی پہنچ سے، اسے جمیلؔ
اس دشتِ بے اماں میں پکاریں گے کس طرح!

○

(احمد شمیم کی یاد میں)

○

ساری باتیں ختم ہوئیں اب کون سی بات کریں
اپنی سی کر ہارے ہم اب جو حالات کریں
ان کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہ جو چاہیں سو ہو
چاہے رات کو صبح کریں یا دن کو رات کریں
کوئی سلیقہ، کوئی قرینہ اپنے ہاتھ نہ آئے
سوچتے ہیں اب کس لہجے میں ان سے بات کریں!
ہاتھ کی سرد لکیریں خود ہی دیکھ دیکھ رہ جائیں
جن کی جانب ہاتھ بڑھائیں ہم سے ہاتھ کریں
جان کی بھیک نہ مانگیں چاہے اپنی جان بھی جائے
جان سے جانے تک وہ کیا کیا جان کے ساتھ کریں!
ان کی خاطر فرزانے بھی دیوانے بن جائیں
جیتی بازی اپنے ہاتھوں خود ہی مات کریں
بیتی رت واپس آنے میں جتنی دیر لگائے
ٹوٹ ٹوٹ کر اُتنا ماتم سوکھے پات کریں
ہر جانب سے اندھیاروں کی ٹوٹ پڑے برکھا
روشنیوں کو صف آرا اپنے نغمات کریں

○

○

مثالِ سنگِ نشاں رہ گزر میں رہتا ہوں
وہ پا بہ گِل ہوں کہ سب کی نظر میں رہتا ہوں
کوئی نہیں ہے مرا حال پوچھنے والا
میں اجنبی کی طرح اپنے گھر میں رہتا ہوں
کبھی ہوں دردِ زلیخا کبھی ہوں یوسفِ جاں
تمہارے دل میں کبھی اپنے سر میں رہتا ہوں
کبھی ہوں سیپ کا موتی کبھی ہوں قطرۂ خوں
درونِ بحر کبھی چشمِ تر میں رہتا ہوں
بھنور کی آنکھ میں ہے بحرِ خوں کی پہنائی
گہر بدست ہوں خوف و خطر میں رہتا ہوں
سحر کے بعد ہے پھر اور اک سحر کی تلاش
تمام رات تلاشِ سحر میں رہتا ہوں
یہ برگ و بار، یہ پھَل پھول میرے نقش و نگار
میں خونِ تازہ کی صورت شجر میں رہتا ہوں
مرا ٹھکانہ یہاں بھی نہیں وہاں بھی نہیں
وجود ہو کہ عدم میں سفر میں رہتا ہوں
جمیلؔ فن سے تعلق ہے جاں کا یوں جیسے
ہنر ہے مجھ میں رواں میں ہنر میں رہتا ہوں

○

○

صبح سویرے گھر آنگن میں چڑیاں شور مچائیں
صدیاں بیت چکی ہیں جانے والے آئیں نہ آئیں!
یادوں کے لشکر اندر باہر سے تیر چلائیں
دل کی یہ تنہائی، یہ جنگل کی سائیں سائیں
شب بھر کا بسرام ہے یارو کیا جانے کل ہم کو
گنگی، آڑی ترچھی راہیں کہاں کہاں لے جائیں
دلداروں کا روپ بھی پل بھر کا بہروپ ہے پیارے
اتنے دل کے کھوٹے جتنا منہ سے پیار جتائیں
کون جوانی میں سنتا ہے ہوش کی بات پرانی!
سب جذبے منہ زور ہیں اب، کس کس کو ہم سمجھائیں!
چھوڑ بھی دیں ہم تیری خاطر سارے رشتے ناطے
جگ سے بھاگ بھی جائیں لیکن کیا پہنیں کیا کھائیں!
دن بھر دانہ دُنکا چگنے کی تو ہے آزادی
ہم وہ پنکھ پکھیرو شام کو گھر بھی واپس آئیں
یوں لگتا ہے جنگ کا اک میدان ہے ساری دنیا
اور بچھڑتی جاتی ہیں بیٹوں سے پاگل مائیں
اک دن مر جانا ہے تو پھر ڈھنگ سے جینا سیکھیں
موت مقدر ہے اپنا تو موت سے کیوں گھبرائیں!

○

○

وہ گیا نافۂ آہو بن کر
درد اب اٹھے گا خوشبو بن کر

مڑ کے آئے گا نہ جانے والا
آنکھیں بہہ جائیں گی آنسو بن کر

نیند آ جائے گی آتے آتے
رات چھا جائے گی گیسو بن کر

کنجِ گلشن میں ملے خار صفت
سامنے آئے تو گل رو بن کر

عشق اور مشک کہاں چھپتے ہیں!
دونوں بول اٹھتے ہیں جادو بن کر

کسی برگد کے تلے بیٹھ رہیں
ہم بھی گوتم! تری خوشبو بن کر

رقص کرتے ہوئے جنگل جنگل
تجھ کو ڈھونڈیں کبھی آہو بن کر

خیر مقدم ترا ہو گا یوں بھی
دل بھی لہرائیں گے بازو بن کر

صرف ہاتھوں سے نہ انصاف کرو
دل کو بھی تولو ترازو بن کر

○

○

تجھ کو زخمِ دل کی گہرائی کا اندازہ نہیں
دل وہ گھر ہے جس میں کوئی چور دروازہ نہیں

اب کسی کو کیا بتائیں در پئے جاں کون ہے!
خندۂ احباب ہے دشمن کا آوازہ نہیں

چاہتوں کی جاوداں خوشبو لٹا سکتے ہیں ہم
تیرے میرے بس میں جسم و جاں کا شیرازہ نہیں

جذبِ دل نے چاند میں ڈھل کر بکھیری چاندنی
رات کے چہرے پہ تیرے حسن کا غازہ نہیں

کب ہمارے خون سے مہکی نہیں صبحِ چمن!
کون سا موسم ہے جس میں فصلِ گل تازہ نہیں!

گرتے پڑتے جا ہی پہنچے اپنی منزل پر جمیلؔ
دل کی پہلی گمرہی کا تو یہ خمیازہ نہیں!

○

○

دونوں کے ہاتھوں میں عَلَم ہے
تیرا میرا ایک قلم ہے
چلتے چلتے صدیاں گزریں
منزل تو دو چار قدم ہے
کس دنیا میں رہتا ہوں میں
ہر ذرے میں اک عالم ہے
شاخ پہ کوئی گل نہیں دیکھا
یارو یہ کیسا موسم ہے!
آپ ہوا ہے اپنا دشمن
جانے یہ کیسا آدم ہے!
دل ہے اس کا آہن جیسا
بات کرے تو وہ ریشم ہے
پیار نے کیسا موم کیا ہے!
جو شعلہ تھا وہ شبنم ہے
کون جمیلؔ ترا غم بانٹے
سب کو اپنا اپنا غم ہے

○

○

ابھی تک مسلط ہیں کیا قہر والے!
مرے بعد زندہ تو ہیں شہر والے!
شکاری بہت مہرباں ہو چلے ہیں
کمانوں میں سب تیر ہیں زہر والے!
کئی شہر کے شہر جھُلسا گئے ہیں
یہ لُو کے مسافر، یہ دوپہر والے
یہ کس غم میں دبلے ہوئے جا رہے ہیں!
یہ قاتل، یہ اندیشۂ شہر والے!
سمندر میں بھی گرد اڑتی ہے اب تو
کہاں کھو گئے عشق کی لہر والے!
وہیں کا وہیں ہے وہ ایوانِ شیریں
پہاڑوں میں ہی مر گئے نہر والے!
خود اپنے ہی افسوں سے پتھر ہوئے ہیں
طلسمی مکانوں کے سب سحر والے
وہ ڈوبے تو کوئی بچانے نہ آیا
نہنگوں ہی کا رزق تھے بحر والے
جمیلؔ ان سے کیسی کہاں کی توقع!
وہی بے مروّت ہیں یہ دہر والے

○

○

تاروں میں کب دیکھی ہو گی تم نے ایسی جوتی
آنسو آنکھ سے ایسے نکلے جیسے سیپ سے موتی

میرے دل سے آ ملتا ہے ایسے شام سویرا
اس کے چہرے پر دو آنکھیں جیسے جاگتی سوتی

صبح ہوئی تو اس نے بھی کرنوں سے ناطہ جوڑا
پھول پھول سے لپٹ لپٹ کر شبنم کب تک روتی!

ان کی سوچ سمندر جن کے دونوں ہاتھ ہیں خالی
دل کے کتنے مفلس جن کے پاس ہیں ہیرے موتی!

آنے والی کل کا پرچم بڑھ کر کون اٹھائے!
یوں تو سب کے پاس ہے یارو اپنی اپنی جوتی

پیار سے میرا ہاتھ پکڑ کر سورج تک لے جاتی
چاند کے پاس جمیلؔ جو اپنی ایک کرن بھی ہوتی

○

○

رات کتنے ناتراشیدہ گہر بھی لائے گی
ناتراشیدہ سی ضو لیکن سحر بھی لائے گی
آرزو اپنی اگر نامعتبر ٹھہری تو کیا!
جستجو اپنی نگاہِ معتبر بھی لائے گی
جب بصیرت ہی نہ ہو تو پھر نظر کا کیا جواز!
جب نظر ہو گی تو خورشید و قمر بھی لائے گی
جگمگا اٹھیں گے شاخوں پر گلابوں کے چراغ
جب بہار آئی تو اپنے بال و پر بھی لائے گی
آج تک لوٹے نہیں نادیدہ شمعوں کے سفیر
جگنوؤں کی روشنی ان کی خبر بھی لائے گی
جب ملی آوارگی کو منزلِ خود آگہی
دشت میں کھوئے ہوؤں کو اپنے گھر بھی لائے گی

خاک سے تخلیق ہو گی آتش و آب و ہوا
زندگی خود اپنا سامانِ سفر بھی لائے گی
جس گھڑی ساری دعائیں بے اثر ہو جائیں گی
روشنی دل کی دعاؤں میں اثر بھی لائے گی
تابکے چھپ کر کرو گے میرا سر تن سے جدا
دیکھنا کل کی گواہی میرا سر بھی لائے گی!
زندگی پھولے پھلے گی محنتوں کے چاک پر
عظمتِ انساں متاعِ کوزہ گر بھی لائے گی
تب بجھے گی آگ جب اپنے ہی نغموں سے جمیلؔ
زرد آندھی بارشِ برق و شرر بھی لائے گی

○

○

کون ان کو نکال سکتا ہے!
دور تک اب دلوں میں خار گئے

○

پیش منظر میں کہاں جو شور پس منظر میں ہے
گھر سے باہر تو نہ ہو گی جو قیامت گھر میں ہے
مے پہ پابندی ہے لیکن خوں پہ پابندی نہیں
اب بجائے مے ہمارا خونِ دل ساغر میں ہے
کیسے بے حِس ہو کسی صورت پگھلتے ہی نہیں
ایک چنگاری تو سنتے ہیں کہ ہر پتھر میں ہے
چلتے چلتے کشتیٔ دل کس بھنور میں آ گئی!
دور تک دریا ہی دریا اپنی چشمِ تر میں ہے
ڈوبنے یا پار اترنے کی کسے اب فکر ہے!
ایک طوفانِ مسلسل اب تو بحر و بر میں ہے
ایک پیہم جنگ بھی ہے خیر و شر کے درمیاں
سرکشیدہ حوصلہ بھی تیرے میرے ڈر میں ہے
زندگی کو ہم کہاں تک سینت کر رکھتے رہیں!
اب تو جاں ہی سے گزر جانے کا سودا سر میں ہے
روشنی سے پھر جہاں تخلیق ہو گی زندگی
ایک ایسی سرزمیں بھی اپنی خاکستر میں ہے

○

○

اپنا نظر آئے کہ پرایا نظر آئے
جو آئینہ دیکھوں ترا چہرہ نظر آئے

سورج کی طرح تو بھی چمکتا نظر ائے
جب آنکھ اٹھے تیرا سراپا نظر آئے

پلکوں کو جھکائے تو اتر آئے گھنی شام
تو آنکھ اٹھائے تو اجالا نظر آئے

آئینہ در آئینہ تو اترے مرے دل میں
اک لمحۂ جاوید میں کیا کیا نظر آئے!

ہر شخص پہ مانندِ شجر چھاؤں بکھیروں
جب دھوپ میں ہر شخص اکیلا نظر آئے

ہر دور کرے تیرے مرے خواب کی تعبیر
ہر دور کا اپنا ہی تقاضا نظر آئے

ہر دور میں سولی پہ لٹک جائے مسیحا
ہر دور میں ایک اور مسیحا نظر آئے

ناخن پہ ہے جو قرض وہ اب تک نہیں اترا
زخموں کا نہ کوئی بھی مداوا نظر آئے

حیرت سے ہراک گام پہ رک رک کے میں دیکھوں
دنیا نظر آئے کہ تماشا نظر آئے!

دیکھیں نہ اگر ہم تو سمندر بھی ہے قطرہ
ہو آنکھ تو کوزے میں بھی دریا نظر آئے

یاروں کو جسامت؛ قد و قامت سے نہ ناپو
اونچا ہے وہی، دل کا جو اونچا نظر آئے

○

○

زندگی سے نہ اتنا پیار کرو
زندگی روٹھ بھی تو جاتی ہے

○

جو رہرو شاہراہِ مہرِ عالم تاب سے گزرے
وہ پہلے رات کی اس قتل گاہِ خواب سے گزرے
جسے دل کے سمندر تک رسائی کی تمنا ہو
وہ پہلے چوٹ کھائے دیدۂ خوناب سے گزرے
رہے ہم دل گرفتہ اک نہ اک افتاد کے ہاتھوں
کبھی قحطِ مروت سے، کبھی سیلاب سے گزرے
بچا کر لے گئے سب اپنی اپنی کشتیاں چپکے
بہت چکرائے ہم، جب حلقۂ گرداب سے گزرے
ہمیں ہر دور میں پیاسا ہی مارا اہلِ کوفہ نے
یمِ بے آب سے یا وادیٔ شاداب سے گزرے!
ہزاروں لوگ ہم جیسے کناروں پر تڑپتے تھے
ہمیں یہ زعم تھا ہم چشمۂ سیماب سے گزرے
جمیلؔ ایسی قیامت کب کہاں یاروں پہ گزری تھی
ہزاروں بار یوں تو محفلِ احباب سے گزرے

○

○

یوں ہمیں اک اک قدم پر خوں کی ارزانی ملے
جس طرح پیاسی زمیں کو بے بہا پانی ملے
کیا خبر تھی مشکلیں کچھ اور بھی بڑھ جائیں گی
چاہتے تھے زندگی میں کوئی آسانی ملے
صورتیں اور سیرتیں اپنی شباہت کھو چکیں
کوئی صورت کوئی سیرت جانی پہچانی ملے
جب کسی دل میں زلیخائے تمنا ہی نہ ہو
پھر کسی دل کو کہو، کیوں یوسفِ ثانی ملے!
تم اسے صد رنگ تصویروں سے بہلاؤ گے کیا!
ساری خلقت ایک ہی پیکر کی دیوانی ملے
جس قدر میں دیکھنا چاہوں جمالِ روئے دوست
پیاس بڑھتی جائے اُتنی اور حیرانی ملے
تجربہ ہے سال خوردہ اور دل معصوم ہے
کس ادا سے اپنی دانائی سے نادانی ملے!
کچھ نہ ہونے پر بھی یہ دعوئ خدائی کا جمیلؔ!
کیا کرو گے تم اگر تم کو جہانبانی ملے!

○

○

کچھ منہ سے بولتے نہیں یوں گھر کے ہو گئے
ہم بھی تو اب کے دوستو پتھر کے ہو گئے
اک وہ کہ کائنات بھی ان کے جلوس میں
اور ایک ہم کہ ایک ہی محور کے ہو گئے
زہرابِ جاں بھی اب تو میسر نہیں ہمیں
جتنے بھی چارہ گر تھے ستم گر کے ہو گئے
ساحل پہ صرف ریت کی شکلیں بنی رہیں
جتنے صدف تھے سارے سمندر کے ہو گئے
کیا سرو قد کوئی بھی نہیں شہر میں رہا
کوتاہ قد بھی اب تو برابر کے ہو گئے
جتنے تھے پھول سب ترے دامن میں جا گرے
پتھر تمام ایک مرے سر کے ہو گئے
جگنو، شرار، چاند، ستارے، شفق، گلاب
سب ہم کو چھوڑ کر ترے پیکر کے ہو گئے

دستِ طلب کسی نے بڑھایا نہ کیوں اِدھر
تلچھٹ تو ہم نہیں تھے کہ ساغر کے ہو گئے!

ڈوبا وہی جو تھاہ سمندر کی پا گیا
طغیانیوں میں سارے شناور کے ہو گئے

یوں تو ہزار بار مرے' اہلِ دل یہاں
زندہ بھی بار بار مگر مر کے ہو گئے

شیشے میں اپنا عکس ہی وہ دیکھتے رہے
جو صاحبِ نظر تھے وہ جوہر کے ہو گئے

جو سب کی زندگی تھا وہ عیسیٰ بھی مر گیا
قائل جمیلؔ ہم بھی مقدر کے ہو گئے

○

○

یوں تو سب چیزیں فانی ہیں
لیکن سچ زندہ رہتا ہے

○

یہ دن پہاڑ سا، جنگل سی سائیں سائیں یہاں
وہ تشنگی ہے سمندر بھی ڈوب جائیں یہاں
کسی میں حسِ سماعت ہی اب نہیں باقی
ہم اپنے دل کی کہانی کسے سنائیں یہاں!
ہر ایک شخص ہی روٹھا ہوا سا ہے جیسے
کسے ہنسائیں یہاں اور کسے منائیں یہاں!
ہر ایک سمت وہی گھورتے ہوئے چہرے
کبھی ہو یوں بھی کہ ہم کھُل کے مسکرائیں یہاں
بسے ہوئے تھے جو گھر سب اجڑتے جاتے ہیں
ہمیں یہ شوق کہ ہم اپنا گھر بسائیں یہاں
تمہارے شہر کا دل اتنا تنگ تر نکلا
بدن پہ تنگ ہوئیں اور بھی قبائیں یہاں
شرار و سنگ کی بارش ہے اب کہاں جائیں!
لہو لہو نظر آتی ہیں فاختائیں یہاں
وہ جن کو چاند سے نسبت رہی ہے برسوں سے
اُنہی کو چاند میں اب ڈھونڈتی ہیں مائیں یہاں
یہاں تو جان کی بازی لگی ہوئی ہے جمیلؔ
جنہیں عزیز ہے جاں، بھول کر نہ آئیں یہاں

○

○

کتنے گہرے زخم ہیں جو اپنی قسمت ہو گئے
کیسے کیسے یار تھے جو بے مروت ہو گئے

آندھیاں ایسی چلیں کچھ بھی نہیں باقی رہا
باغ یوں اجڑے کہ جیسے درسِ عبرت ہو گئے

شہرِ ناپرساں میں جیسے پھر نہ آئیں گے کبھی
زندگی کے قافلے یوں ہم سے رخصت ہو گئے

ہم تہی دستی میں ان کو پیش کرتے بھی تو کیا
ہم تو بچوں کے لئے دستِ ندامت ہو گئے

جس کسی نے بھی سنی اپنا اضافہ کر دیا
ہم زمانے بھر میں کس کس کی حکایت ہو گئے!

اس طرح جیتے رہے مردہ پرستوں میں بھی ہم
ساری دنیا کے لئے زندہ علامت ہو گئے

جو ہمیں چاہے گا اس پر منکشف ہو جائیں گے
ہم تو اپنی ذات میں ایسی صداقت ہو گئے

تم کو کرنا ہے تو کر لو جھوٹ سچ کا فیصلہ
ہم وفا کے شہر میں دل کی عدالت ہو گئے

وقتِ رخصت ان تلاطم خیز آنکھوں سے جمیلؔ
چند آنسو یوں گرے گویا قیامت ہو گئے

○

○

یوں ہوا نازل عذاب و قہر میرے سامنے
لٹ گئی پل میں عروسِ دہر میرے سامنے
وقت کے گہرے سمندر میں ہوئی جاتی ہے گم
پے بہ پے اٹھتی ہوئی ہر لہر میرے سامنے
کون سے ساحل پہ اتروں کس کو میں آواز دوں!
تا ابد پھیلا ہوا ہے بحر میرے سامنے
میں وہی مجرم ہوں جو اپنے وطن میں قید ہے
مجھ پہ ہنستی ہے فصیلِ شہر میرے سامنے
اس کو پی لوں تو ملے شاید اچھوتی زندگی
ختم ہیں ساری دوائیں' زہر میرے سامنے
خوں بہا لینے کو قاتل ہی کے گھر تک جائے گی
بہہ رہی ہے خون کی اک نہر میرے سامنے
قمقموں میں جل رہے ہیں جانے کتنے دل جمیلؔ
آرزوؤں کا سلگتا شہر میرے سامنے

○

○

شورِ جنوں بھی آج بہت ہے خلقت بے اندازہ بھی
آج تو شاید ٹوٹ ہی جائے زنداں کا دروازہ بھی
کرچی کرچی جوڑ رہے ہیں سب دل کے آئینوں کو
اس سے پہلے کب بکھرا تھا شہر کا یوں شیرازہ بھی!
لب سل جائیں بات تو پھر بھی دھڑکن دھڑکن پھیلے گی
کیا تم ہم سے چھین سکو گے دل کا یہ آوازہ بھی!
تازہ ہوائیں ہنستی گاتی پھول کھلاتی آئیں گی
دیکھنا اک دن کھل جائے گا موسم کا دروازہ بھی
کیسے کہہ دیں جانے والے تو ہم میں موجود نہیں
تو سرخی بھی حسنِ چمن کی روئے سحر کا غازہ بھی
تیرے بعد چمن میں آ کر جتنی بہاریں جائیں گی
تیرے نام کے ساتھ رہے گا زخمِ تمنا تازہ بھی
سورج کو دفنانے والو، سورج کب مر سکتا ہے!
آؤ اب لے جاؤ شب کا، اپنے ساتھ جنازہ بھی

○

○

زمیں سے تا بہ فلک اب وہ فاصلے بھی نہیں
مگر وہ لوگ جو گھر سے ابھی چلے بھی نہیں!

زمین ریت کی صورت بکھرتی جاتی ہے
کہ جیسے پاؤں تلے اب وہ راستے بھی نہیں

الجھ گئے تو نظر سے سلجھ نہ پائیں گے
کچھ اتنے سہل دلوں کے معاملے بھی نہیں

یہ سوچتے ہیں ترا ظرف آزمائیں کیا!
نہیں، کہ ہم میں وہ پہلے سے حوصلے بھی نہیں

ترے بغیر یہ کیسا عجیب موسم ہے
بہار آ بھی گئی اور گل کِھلے بھی نہیں

میں اپنے آپ کو بھی اجنبی سا لگتا ہوں
وہ میرے شہر میں آئے بھی اور ملے بھی نہیں

وہ انتظار ہے، سورج بھی تھم گیا ہے جمیلؔ
وہ کیا گئے ہیں کہ اب تک یہ دن ڈھلے بھی نہیں

○

○

یہ کیسی برسات نے ڈالے ڈیرے!
آنسو چھم چھم برسیں شام سویرے

میرے جتنے پھول ہیں سب تیرے ہیں
تیرے جتنے زخم ہیں سارے میرے

آنکھیں کھولوں تو بھی خواب کا عالم
آنکھیں بند کروں تو سپنے تیرے

اس نگری میں سارے پیار کے دشمن
آگے پیچھے ہر سو چور لٹیرے

یوں الجھی الجھی ہیں میری راہیں
جیسے لمبی رات کے بال گھنیرے

تیرا چہرہ ایک جمیل سویرا
کب تو آئے کب ہوں دور اندھیرے

○

○

یہ سب قاتل نشانے آپ کے ہیں
پرندے گھونسلوں میں مر گئے ہیں
گھٹن رفتار سے اظہار تک ہے
زبانوں پر بھی اب تو آبلے ہیں
توقع بے وفاؤں سے وفا کی!
کبھی کیا خار بھی پھولے پھلے ہیں!
نہیں سورج اگر ان کا مقدر
ستارے رات بھر کیوں جاگتے ہیں!
وہ زیرِ سایۂ گل مر نہ جائیں
جو ساری عمر کانٹوں پر چلے ہیں
کہاں فرصت تری زلفوں سے کھیلیں
یہ سب بیکار دل کے مشغلے ہیں
جمیلؔ ان کو خبر کیا میرے غم کی
جو اپنے آپ ہی پر مر مٹے ہیں

ہزاروں پھول شاخوں پر سجے ہیں
یہ کس دستِ ہنر کے معجزے ہیں!
انہیں کچھ اہلِ دل ہی جانتے ہیں
دلوں سے جو دلوں کے رابطے ہیں
جو طالب ہے وہی مطلوب بھی ہے
عجب شہرِ وفا کے سلسلے ہیں
میں سارے موسموں کا رازداں ہوں
یہ سارے میرے ہاتھوں میں پلے ہیں
میں پھر بھی کیوں بھٹک جاتا ہوں ہر بار!
بڑے مانوس دل کے راستے ہیں
جمیلؔ اب آئینے میں کس کو دیکھیں!
جدھر جائیں ہم اپنے سامنے ہیں

○

○

وہاں انسان کی توقیر ہے کیا!
جہاں قانوں بھی ہے جنگل جیسا

○

سر میں سودا تو اسی قبلہ نما کا رکھو!
دل میں آئین کسی اور خدا کا رکھو!
آسمانوں پہ تو کیا روئے زمیں پر بھی نہ ہو
اتنا اونچا بھی نہ معیار وفا کا رکھو
دل کے صحراؤں کو گلزار بنانا ہے اگر
نقشِ رفتار کسی آبلہ پا کا رکھو
سرِ گلزار تھا جو کیوں وہ سرِ دار آیا!
رہروو کچھ تو بھرم راہنما کا رکھو
نام جتنے تھے وفا کے سبھی بدنام ہوئے
اور ہی اب تو کوئی نام وفا کا رکھو
دوستو پھول کھلیں کیسے محبت والے
دل میں جب سنگِ گراں اپنی انا کا رکھو
خود شناسی کے بھروسے پہ بھی جینا سیکھو
اپنے ہاتھوں میں نہ کشکول گدا کا رکھو
استقامت میں رہو سرو کی صورت نگراں
بات کرنی ہو تو انداز صبا کا رکھو
اب تو اظہار کی بس ایک ہی صورت ہے جمیلؔ
اپنے حلقوم میں پتھر بھی صدا کا رکھو

○

○

نہ انتظار مجھے ہے' نہ انتظار میں تو
بھری بہار میں میں ہوں بھری بہار میں تو
ہر آنے والا زمانہ مرے سواگت میں
گئے زمانوں کی ہر ایک یادگار میں تو
چھپا ہوا ہوں میں ہر ایک دل کی دھڑکن میں
مہ و نجوم کی ہر چشمِ آشکار میں تو
نگار خانۂ ہستی میں میری تصویریں
ہر ایک سمت ہے بازار صدِ نگار میں تو
فلک فلک پہ ہر اک شب ستارہ بار ہوں میں
زمیں زمیں کی ہر اک موجِ بے قرار میں تو
گلاب ہی کی طرح میرا چاک چاک بدن
کچھ اس طرح سے رواں شاخِ خار خار میں تو
مثالِ دانہ' تہہِ سنگِ جبر ہوں پھر بھی
بفیضِ فکرِ رسا' میرے اختیار میں تو
میں تیری جیت میں شامل ہوں زخمِ دل بن کر
چراغ بن کے فروزاں ہے میری ہار میں تو
بہت جمیلؔ ہے یہ سلسلہ محبت کا
زمانہ مجھ پہ فدا اور میرے پیار میں تو

○

○

چہرہ دیکھ کے دل کا حال بتانے والے
کیسے کیسے لوگ تھے چھوڑ کے جانے والے!
پیار میں ہم نے کیسے کیسے زخم سہے ہیں!
دل میں اترے کیسے تیر نشانے والے!
ہم نے اپنے پاگل پن کی راہ نہ چھوڑی
پاگل ہو گئے سب ہم کو سمجھانے والے
جو محفل کی جان تھے کیوں نایاب ہوئے ہیں!
روٹھ گئے کیوں اتنا پیار بڑھانے والے!
اک اک کرکے جانے کتنے ساتھی چھوٹے!
منزل منزل دل کا ساتھ نبھانے والے
کیسی چپ ہے آج کہاں ہیں یار پرانے!
شہروں شہروں سچی بات سنانے والے
ہم نے ان سے کون سی ایسی بات کہی تھی!
جا کر واپس کیوں نہیں آئے جانے والے!
آخر آخر وہ جوگی بھی روگی نکلے
اول اول سب کا روگ مٹانے والے
باغ کی صورت آج بھی ہیں پہچان وہ اپنی
خوشبو بن کر ہر دل میں بس جانے والے

○

○

اک دیوار گرائی ہم نے اک دیوار اٹھائی
یہ کیسی تعمیر تھی جس میں ساری عمر گنوائی!
بڑھتے بڑھتے آ پہنچا ہوں دشمن کے نرغے میں
پیچھے رہ گئے سنگی ساتھی دیتا کون دہائی!
اس نے آ کر سب سے پہلے اپنوں کا سر کاٹا
کتنی دیر بڑائی اس کی جس کی شان پرائی!
دور دور تری نوبت باجے تو اس شہر کا راجہ
تو کیا جانے کس کس کی ہے گلی گلی رسوائی!
جن کی خاطر ہم نے بہایا اپنا خون پسینہ
ان بیٹوں نے آج اڑا دی ساری نیک کمائی
یہ کیا بات ہے سب سے اچھا یار وہی ہے میرا
برسوں جس کے ساتھ رہی ہے اپنی خوب لڑائی!

پیار کے سُر ساگر میں جو بھی ڈوب گیا وہ ابھرا
ڈوبنے والا ہی جانے اس ساگر کی گہرائی
من اس آگ میں ایسا پگھلا کندن بن کر نکلا
من کے جنگل میں تو نے یہ کیسی آگ لگائی!
جتنا سوچ کا دھاگہ پکڑوں ہاتھ سے نکلا جائے
مولا سائیں! میرے من میں کیسی موج سمائی!
وہ جب ساتھ تھا جانے کیوں سب کچھ اچھا لگتا تھا
اس کے بعد جمیلؔ نہ کوئی چیز بھی دل کو بھائی

○

○

خود کلامی میں بسر رات ہوئی
اور کیا اس کے سوا بات ہوئی!

○

چپ نگری میں بولے کون!
بند گلی کو کھولے کون!
خاک میں سونا ہے لیکن
خاک سے موتی رولے کون!
چپ بھی زہر ہے بات بھی قہر
بولے کون نہ بولے کون!
زنداں کا دروازہ بند
باغ دریچہ کھولے کون!
آئے ہوا زنجیر لئے
ساتھ ہوا کے ڈولے کون!
اندر ہی اندر دل کو
دیتا ہے ہچکولے کون!
آہن پوش ہے خاموشی
بولے ہولے ہولے کون!
آگ کو نگلے کون جمیلؔ!
چھیڑے درد پھپھولے کون!

○

○

سب مردہ ہیں ہنستا بستا کوئی نہیں ہے
بند گلی سے آگے رستہ کوئی نہیں ہے
منصف رکھتے ہیں کانٹوں کے تاج سروں پر
ان کے ہاتھوں میں گلدستہ کوئی نہیں ہے
چہروں کی تختی پر سارے حرف مٹے ہیں
بچوں کی گردن میں بستہ کوئی نہیں ہے
موت سبھی کو چین کی نیند سلا دیتی ہے
سچ کہتے ہو بھوک سے خستہ کوئی نہیں ہے
اندر سے تو سارے ہی ریزہ ریزہ ہیں
باہر سے دیکھو تو شکستہ کوئی نہیں ہے
رکھوالوں کے رستے میں ہیں سب صف بستہ
اپنے آگے پیچھے دستہ کوئی نہیں ہے
کل کی بات ہے ہم بھی جمیلؔ بہت مہنگے تھے
آج مگر ہم جیسا سستا کوئی نہیں ہے

○

○

یہ ستارے یہ کنائے آنسو
شب نے کس کس سے چرائے آنسو!
شب کی آنکھوں سے یہ ٹپکا ہوا چاند
رات بھر ہم کو جگائے آنسو
رات بھر گھر میں رہی دیوالی
جا بجا ہم نے جلائے آنسو
کھل اٹھے یاد کے جگنو کتنے!
شبنمی شاخ پہ آئے آنسو
فصلِ گُل آئی نہ برسات ہوئی
ہم نے اس بار اگائے آنسو
تب سے سرسبز ہے اس دل کی زمیں
جب سے دو چار گرائے آنسو

کس سے مل کر یہ دھنک رنگ ہوئے!
کیسی بارش میں نہائے آنسو!
وصل کی دھوپ تری آنکھوں میں
اور اِدھر سائے ہی سائے آنسو
قہقہوں میں تھی شراکت سب کی
کون اب ساتھ بہائے آنسو!
قہقہے نذرِ گلستاں کر کے
ہم نے اپنائے' پرائے آنسو
دل کے کیا کیا نہ تقاضے تھے جمیلؔ
قرض میں ہم نے چکائے آنسو

○

○

وقت کا جبر کڑا ہوتا ہے
وقت سے آنکھ مچولی نہ کرو

○

کچھ تو نے کہا اور دم نکلا
جو لفظ بھی نکلا کم نکلا

جب دھند چھٹی تو قہر ہوا
ایک اور بھی شہرِ ستم نکلا

جابر حاکم تھا عرش نشیں
ہر اونچا سر بھی خم نکلا

ٹوٹیں سب صفیں حبابوں کی
کس کس کا آج بھرم نکلا!

پرکھا تو محبت کا قصہ
افسانۂ دام و درم نکلا

اس کیسۂ جاں میں یہی کچھ تھا
اک حرفِ سخن تو کم نکلا

دو چار قدم بھی اٹھ نہ سکے
جب تو دو چار قدم نکلا
اک یاد کا زخم نہ بھر پایا
دل خون آلود قلم نکلا
خوشبو کی صورت پھیل گیا
جب دل سے تیرا غم نکلا
دل کے پیمانۂ مستی سے
کم تر ہر ساغرِ جم نکلا
ہر موسم اپنا موسم تھا
ہم نکلے یا پرچم نکلا!

○

○

کہی ہوئی بھی تو اب ان کہی سی لگتی ہے
ہر ایک چیز یہاں اجنبی سی لگتی ہے

○

لہو میں غرق یہاں ہر گلاب ہے کتنا!
کلی کلی میں مگر پیچ و تاب ہے کتنا!
اگر نہیں ہے یہ روزِ حساب تو یارب
اب اور دور وہ روزِ حساب ہے کتنا!
تمام حرف تو تم نے چرا لئے ہم سے
سوال کتنا ہے اپنا جواب ہے کتنا!
پسِ نقاب بھی ہم لوگ دیکھ سکتے ہیں
ہمیں خبر ہے تو زیرِ نقاب ہے کتنا!
وہ بادشاہ جو ہے رقص میں برہنہ بدن
اسے بھی آج غرورِ حجاب ہے کتنا!
ہیں جس کے پاس حوالے بڑی کتابوں کے
تو خود سمجھ وہ درونِ کتاب ہے کتنا!

چہار سمت ہے میلہ عجب سرابوں کا
حقیقتوں کا جہاں خواب ہے کتنا!
کٹا کے سر تو سزا ہم نے کاٹ لی اپنی
جو کٹ سکا نہ کبھی وہ عذاب ہے کتنا!
شبِ سیاہ کے پھیلاؤ سے مرے گھر تک
بتاؤ فاصلہٗ آفتاب ہے کتنا!
گلی گلی میں جہاں ٹکٹکی لگی ہے جمیلؔ
قدم قدم پہ وہاں احتساب ہے کتنا!

○

○

تمھیں ہم کیا بتائیں زندگی کیسے گزرتی ہے
یہ ہم ہی جانتے ہیں جس طرح، جیسے گزرتی ہے

○

تو آئینے میں اگر صبح دم سنورنے لگے
تو آئینہ بھی برنگِ چمن نکھرنے لگے
جب آنکھ بھر تجھے دیکھا تو یوں ہوا محسوس
کہ جیسے گہرے سمندر میں ہم اترنے لگے
اذانِ صبح، پرندوں کے گیت، فکرِ سخن
فلک سے تازہ صحیفے یہ کیا اترنے لگے!
وہ دردِ عالمِ تخلیق ہے کہ اب مجھ سے
سبھی عناصرِ فطرت کلام کرنے لگے
تمہاری بندہ نوازی پہ حرف آئے گا
اگر یہ دستِ طلب ہم دراز کرنے لگے
کبھی وہ وقت نہ آئے کہ گردِ وقت کے ساتھ
تری امنگ ترا حوصلہ بکھرنے لگے

تمام شہر کو آسیب چاٹ جائے گا
اگر بلائے شبِ غم سے لوگ ڈرنے لگے
مثالِ صورتِ مہتاب کل جو ڈوب گئے
برنگِ صورتِ خورشید آج ابھرنے لگے
مقامِ شوقِ شہادت بھی دیکھ لے آ کر
وہی تو لوگ ہیں زندہ جو لوگ مرنے لگے
ہیں آج کوچہ و بازار سرخرو کتنے!
اِدھر سے رنگ کے سب قافلے گزرنے لگے
اداس ہو گئی جب کائناتِ حسن جمیؔل
تو ہم جمال کے خاکے میں رنگ بھرنے لگے

○

○

سفینہ لے کے چلا جائے کیسے منزل تک!
کہ موج کا تو سفر ہے بس ایک ساحل تک

○

کیا اپنی قسمتوں کا ستارا نہیں ملا!
بچھڑا جو ایک بار دوبارہ نہیں ملا
کیا شہر کا چراغ بجھا دل ہی بجھ گیا
یہ تو نہیں کہ انجمن آرا نہیں ملا!
منزل قریب آئی تو پھر دور ہو گئی
اپنا پتہ ملا تو تمہارا نہیں ملا
جاری ہے آج تک یہ سفر کائنات کا
یہ بحر وہ ہے جس کا کنارا نہیں ملا
دستِ دعا میں نور تھا بیساکھیاں نہ تھیں
خوش ہیں کہ ہم کو کوئی سہارا نہیں ملا
کیوں ہم سے دل کی بات کریں کس طرح کریں!
جن کو ابھی اُدھر سے اشارا نہیں ملا
خود اپنی ذات ہی پہ بھروسہ کیا جمیلؔ
یہ وہ طلب ہے جس میں خسارا نہیں ملا

○

○

سورج ہے غرق شام ڈھلے تیرے سامنے
اب کیا کوئی چراغ جلے تیرے سامنے!

وحشی غزال' نرم صبا راہ بھول جائے
اب کون اپنی چال چلے تیرے سامنے!

جب تو چلے پہاڑ چٹخ جائیں قہر سے
گردابِ خوں بھی ہاتھ ملے تیرے سامنے

جتنی بلندیاں ہیں وہ تیرے گلے کا ہار
کوئی ملے تو کس سے گلے تیرے سامنے!

سُر بھول جائے سارے سپیروں کی بین بھی
وہ زور و زر کا ناگ پلے تیرے سامنے

صرصر' دھواں' غبار' مگر کشتۂ بہار
لے کر چراغِ دار چلے تیرے سامنے

○

○

اب سے پہلے ہم نے برسوں ہونٹ سئے ہیں
لیکن اب یہ دل دروازے کھول دئے ہیں
تاج محل تعمیر کئے، کہسار تراشے
دل والوں نے کیسے کیسے کام کئے ہیں!
پیار میں ساتھ نبھانا کوئی ہم سے سیکھے
جنم جنم تک ساتھ مرے ہیں ساتھ جئے ہیں
باغ میں ایسے پھول بھی کم کم کھلتے ہوں گے
دل کو اس نے جیسے جیسے زخم دئے ہیں
پھولوں کے رخ پر اُتنا ہی نور آیا ہے
جوگی کانٹوں نے جتنے بھی جوگ لئے ہیں
ہیرے، موتی، سونا تم جھولی میں بھر لو
شبنم، پھول، ستارے سارے میرے لئے ہیں
اس سے بڑھ کر اور مسیحائی کیا ہو گی!
ریشم لہجے سے بھی ہم نے گھاؤ سئے ہیں

○

○

چاند میں تیری جگمگ جگمگ شبنم میں تو جاگے
جیسے سورج آنکھیں کھولے' پھول میں خوشبو جاگے
رات کی گود میں کس آرام سے سارا عالم سوئے
لیکن گہری خاموشی میں رات کا جادو جاگے
ایسی بھی اک پیار ملن کی رات مجھے مل جائے
بند ہوں تیری جھیل سی آنکھیں رخ پر گیسو جاگے
رات کے اس اندھیارے میں ہم بھی جگنو بن جائیں
پھر ساون کی رت آئی' ہر شاخ پہ جگنو جاگے
کون شکاری آ نکلا ہے تیر کمان سنبھالے
جنگل' صحرا صحرا' آہو آہو جاگے
گھر آ کر سب پنکھ پکھیرو دن کا بوجھ اتاریں
رات رات بھر یہ دل آوارہ بے قابو جاگے
تو آئے تو دکھ بھی اپنا سکھ دروازہ کھولے
ہونٹوں پر کلیاں کھل جائیں آنکھ میں آنسو جاگے
کومل نرمل پھول سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے جائیں
چاندنی رات میں پیار کی نازک شاخِ لب جو جاگے
شاید پھر نروان کی شکتی دنیا کو مل جائے
برگد کے سائے میں گوتم جیسا سادھو جاگے

○

○

آج بھی دل ہے، پہلے بھی ہمراز یہی تھا
جب تم آئے تھے پہلو میں ساز یہی تھا
دنیا چھوڑوں، دل سے کیسے رشتہ توڑوں!
تنہائی میں اپنا ہم آواز یہی تھا
یہ لمحہ جو اب اپنی پہچان بنا ہے
تیری میری دھڑکن کا غماز یہی تھا
جھوٹ کے رستے سے سچ کی منزل تک پہنچے
سارے رستے بند تھے اک در باز یہی تھا
یا کانٹوں کا تاج ملا یا زہر پیا ہے
یارو اپنے جینے کا انداز یہی تھا
جو لکھا ہے وہ سب کے دل پر لکھا ہے
اپنے ہاتھوں میں تو بس اعجاز یہی تھا
تم انجام پہ جس منزل کو پا کر خوش ہو
پیارے اپنے فن کا تو آغاز یہی تھا

○

○

کس کا زور چلتا ہے خواہشوں کے دھارے پر
میں ہوں اِس کنارے پر تو ہے اُس کنارے پر
جو ہوا اڑاتی ہے، وہ ہوا رلاتی ہے
کس کا نام باقی ہے وقت کے غبارے پر
جس کے ساتھ میلا تھا، جب مرا اکیلا تھا
کاش وقت رک جاتا اس کے اک اشارے پر
شاہباز کے پنجے کھا گئے اڑانوں کو
اب کوئی پرندہ کیا شوق سے کھلارے پر
کاش اب خدا سن لے یہ دعا پرندوں کی
کاش ہم کو مل جائیں پھر سے اپنے سارے پر
پھر وہی فضا ہو گی، پھر وہی ہوا ہو گی
دیکھنا نکل آئے جب کبھی ہمارے پر!
سرزمیں کی رنگت بھی آسماں کی سنگت بھی
سبز رنگ سجتا ہے چاند اور ستارے پر

○

○

رات کا اندھیرا ہے اور کتنا گہرا ہے
سو گئے ہیں رکھوالے، وحشتوں کا پہرا ہے
گم ہوئی ہیں راہیں بھی، کھو چکی پناہیں بھی
عدل کس سے مانگیں ہم، ہر طرف کٹہرا ہے
بات کر نہیں سکتے اب زبان والے بھی
بات بھی کریں تو کیا، سب سماج بہرہ ہے
دیکھ کتنی عزت سے ہو رہی ہے رسوائی!
زہر زہر باتیں ہیں خوشنما کٹہرا ہے
جال ہے اشاروں کا یا جلوس تاروں کا!
چاند کی سواری ہے، چاندنی کا پہرا ہے
آنے والی ہر ساعت اک سراب جیسی ہے
خواب خواب چہرہ ہے اور بدن سنہرا ہے
ہاں جمیلؔ اپنا ہے صبح کا حسیں منظر
نیلگوں سمندر میں روشنی کا لہرا ہے

○

○

جب کبھی آیا خیالِ زندگی
آنکھ سے ٹپکا سوالِ زندگی

سب مثالیں زندگی کی تشنہ لب
کیا کوئی ہے بھی مثالِ زندگی!

اور سب عقدے تو سلجھا لیں گے ہم
سب سے مشکل ہے سوالِ زندگی

تو کہاں ہے میرے مقصودِ نظر
دیکھ آ کر کیا ہے حالِ زندگی!

ہجر ہی میں عمر ساری کٹ گئی
کب ہمیں ہو گا وصالِ زندگی!

زندگی کی آرزو کرتے رہے
تھا یہی اپنا کمالِ زندگی

ڈوبتا مہتاب، منظر موت کا
جاگتا سورج، جلالِ زندگی

ڈھونڈ کر لا کوئی میری بھی مثال
تو اگر ہے بے مثالِ زندگی!

خارِ پا نزدیک، منزل دُور تر
کٹ گئے یوں ماہ و سالِ زندگی

نام بھی اور کام بھی اپنا جمیلؔ
ہم بھی تو دیکھیں جمالِ زندگی!

○

○

ترے جہاں کے غمِ رائیگاں کو کیا کرتے!
زمیں نہ اپنی ہوئی، آسماں کو کیا کرتے!

○

سحر ہوئی بحر و بر پہ سونا بکھر گیا ہے
سنور گئے وہ تو سارا عالم سنور گیا ہے
ہوا کے جھونکے سے پوچھتا پھر رہا ہے کوئی
فضا میں خوشبو بکھیر کر وہ کدھر گیا ہے!
میں اپنے گھر میں تلاش کرتا رہا ہوں کس کو!
فقط میں زندہ ہوں میرا ماضی تو مر گیا ہے
بہت اکیلا تھا شعلۂ عشق بعد میرے
وہ میرے گھر سے نکل کے اب کس کے گھر گیا ہے!
میں کیوں یہ پوچھوں کہ ہجر کیا ہے وصال کیا ہے!
ترا تصور تو میرے خوں میں اتر گیا ہے
جو رزم گاہِ حیات کا آہنی ستوں تھا
گرا تو کیا، پرچموں کو اونچا تو کر گیا ہے
سنا ہے قاتل کی نیند بھی اڑ گئی ہے اب تو
کبھی کبھی تو وہ اپنے سائے سے ڈر گیا ہے
ہمارے حق میں کوئی شہادت نہ کام آئی
کہ اب تو ان کا گناہ بھی اپنے سر گیا ہے
جمیلؔ میں قتلِ بے گناہی پہ کیوں نہ روؤں!
کہ اب تو سورج کا طشت بھی خوں سے بھر گیا ہے

○

○

جیون کے اس صدراہے پر تم بھی اکیلے میں بھی اکیلا
اس دنیا پر ناز کریں کیا دنیا چار دنوں کا میلا
یہ ہم کو معلوم نہیں تھا اک دن خاک میں رُل جائے گا
یہ کندن سا جسم ہمارا، یہ ننھا سا دل البیلا
ہاتھ میں لے کر کچے دھاگے، کیوں خوابوں کے پیچھے بھاگے!
یہ سپنوں کی بیلا پیارے آخر تھی سپنوں کی بیلا
تیری اک اک بات کو ترسے آنکھ سے آنسو چھم چھم برسے
راہ میں کوئی بند نہ ٹھہرا جب اُمڈا یادوں کا ریلا
سر پر کتنی برف جمی ہے سانس بھی اب تو تھمی تھمی ہے
ایک کھنڈر جیسا لگتا ہے اب وہ چہرہ نیا نویلا
اب تو ہزاروں میں بھی کھیلیں پھر بھی ہم دکھ درد ہی جھیلیں
وہ دن بھی کیا دن تھے، جیب میں جب بجتا تھا پیسہ دھیلا!
ہم بھی جمیلؔ کبھی بچے تھے، ہم بھی کبھی یوں ہی سچے تھے
وہ آنگن آباد ہے اب تک جس میں اپنا بچپن کھیلا

○

○

سراب دیکھوں کہ خواب دیکھوں!
تجھی کو میں بے نقاب دیکھوں
فلک پہ تو اک سوال سا ہے
زمیں پہ تیرا جواب دیکھوں
نظر میں تیرے جمال کی ضو
سحر سحر آفتاب دیکھوں
ہے چار سو خوشبوؤں کا موسم
شباب چکھوں' گلاب دیکھوں
ہر ایک چہرہ کتاب صورت
میں کیسے کیسے نصاب دیکھوں!
زمینِ وعدہ کہاں ہے یارب!
میں جس کی خاطر عذاب دیکھوں!

درونِ پردہ تو جانے کیا ہے!
برونِ در بے حجاب دیکھوں

ق

برونِ دریا تو ریگِ ساحل
چلوں صدف زیرِ آب دیکھوں
زمیں کی تقدیر خشک سالی
فلک پہ کتنے سحاب دیکھوں!
دعا یہ نکلے کہ بجھ نہ جائے
میں جب کبھی ماہتاب دیکھوں
جمیلؔ کہتے ہیں جس کو انساں
خدا کا وہ انتخاب دیکھوں

○

جتنے ہیں حسیں خواب، بکھرنے سے بچا لو
تعبیر سے پہلے انہیں مرنے سے بچا لو

○

خوف، ڈر، چور، گھات مت پوچھو
کیسے گزری ہے رات مت پوچھو
کیسے کٹ کٹ کے سانس گرتی ہے
کیسے ہوتی ہے مات مت پوچھو
جب خزاں آئے تو درختوں سے
کیسے گرتے ہیں پات مت پوچھو
ہم کہ اپنے وطن میں تنہا تھے
کیا ہوا اپنے ساتھ مت پوچھو
ایسے بھونچال تھے کہ ٹوٹ گرے
روح کے سومنات، مت پوچھو
مٹ گئے سارے ذات کے جھگڑے
لٹ گئی کائنات مت پوچھو
کیوں قلم کار سوئے دار چلے!
کیوں کٹے اپنے ہاتھ مت پوچھو!
کیسی ہوتی ہے بے سر و ساماں
عاشقوں کی برات مت پوچھو!
ہم پہ گزری جو سب پہ گزری ہے
اب جمیلؔ اپنی بات مت پوچھو

○

○

ترا جمالِ سخن، سازِ پیرہن جاگے
بہار میں تری خوشبو چمن چمن جاگے
امنگ جاگ رہی ہے کچھ اس طرح دل میں
کہ جس طرح ترا سویا ہوا بدن جاگے
عجیب دُھن ہے پرندوں کی چہچہاہٹ میں
کہ جیسے خواب سے پیرایۂ سخن جاگے
عجب طرح کے نشے میں ہے کائنات تمام
پھر ایک بار وہی فتنۂ کہن جاگے
ہو آج سات سُروں کا ملاپ یوں مطرب
کہ صبح تک تو یوں ہی ساری انجمن جاگے
افق پہ آج تو ابھرا ہے اس طرح سورج
کہ جس طرح کوئی مفرور بے وطن جاگے
مسافروں کے لئے کون سی ہے جائے اماں!
کہ اس دیار میں سب سوئیں، راہزن جاگے
کسی کے دل سے کوئی جوئے شیر پھوٹ بہے
کسی پہاڑ پہ پھر کوئی کوہ کن جاگے
دھنک کے رنگ کھلیں گے جمیلؔ چہروں پر
دُکھی زمین پہ جس روز اہلِ فن جاگے

○

○

جس کو جیتا اُسی سے ہار گئے
ڈوب کر ہم جمیلؔ پار گئے

تیری محفل عجیب محفل ہے
مطمئن آئے، بے قرار گئے

عمر تو مختصر ملی تھی مگر
تا ابد ہم تجھے پکار گئے

کتنے بے اعتبار آئے تھے
اور ہم کتنے باوقار گئے!

تو نے کیا کیا سکھا دیا ہم کو
خام کار آئے، پختہ کار گئے

یہ خلش لاجواب ہے یارو
دور تک اب دلوں میں خار گئے

عشق میں ہم نے دو ہی کام کیے
سوئے یار آئے، سوئے دار گئے

بات بننے میں ایک عمر لگی
زندگی! ہم تجھے گزار گئے

راستہ راستہ، غبار غبار
کتنی منزل جمیلؔ مار گئے

○

○

ہم اکیلے ہی گئے دوست ہمارے نہ گئے
کشتیاں ڈوب گئیں ساتھ کنارے نہ گئے

یوں تو اک عمر گزاری ہے مگر تیرے بغیر
ایسا لگتا ہے یہ دن ہم سے گزارے نہ گئے

موت کے منہ میں کوئی ساتھ کہاں دیتا ہے!
چاند کے ساتھ افق پار ستارے نہ گئے

زلف الجھی ہوئی دوراں کی سلجھ سکتی ہے
ہم سے ہی کام زمانے کے سنوارے نہ گئے

ایک دن منزلِ مقصود بھی مل جائے گی
راستے ہی میں اگر جان سے مارے نہ گئے!

خود گرفتار تھے، تشہیرِ سخن کیا کرتے
ہم سے تو قرض ہی یاروں کے اتارے نہ گئے

○

○

تیرا مجرم ہوں مجھے ایسی سزا دی جائے
شہر در شہر مرے غم کی منادی جائے
اور کیا چاہیئے اے دوست محبت میں اگر
تیری تہمت بھی مرے نام لگا دی جائے
روح میں غار ابھر آئے تو پھر کیا ہو گا!
کس طرح پیار کی ہر بات بھلا دی جائے!
نقشِ دیوار تو مٹ جاتا ہے لیکن کیسے
دل پہ کندہ ہے جو تصویر مٹا دی جائے!
خود پرستوں کی محبت پہ بھروسہ کیسا!
کاغذی ناؤ ہے پانی میں بہا دی جائے
آج بیکار سہی کام تو آئے گی کبھی
دل کی دولت بھی سرِ عام لٹا دی جائے
گھر کی دیوار تو گرتی ہوئی دیکھی ہم نے
اور اگر جسم کی دیوار گرا دی جائے!
میں اگر تھا ہی نہیں کیوں مجھے تخلیق کیا!
اب مجھے کیوں مرے ہونے کی سزا دی جائے!
لٹ چکے پھر بھی یہی دل میں سمائی ہے جمیلؔ
جس نے لوٹا ہے اسے دل سے دعا دی جائے

○

○

جو وقت ہاتھ میں تھا' ہاتھ سے نکل بھی گیا
مرے رقیب کے ترکش سے تیر چل بھی گیا

میں منتظر ہی رہا شام کے دھندلکوں میں
چراغ جل بھی چکے' آفتاب ڈھل بھی گیا

جھلک دکھا کے وہ آنکھوں سے ہو گیا اوجھل
جو ایک پل تھا ہمارا وہ ایک پل بھی گیا

جو راستے میں ہی بیٹھے رہے وہ اٹھ نہ سکے
مگر جو وقت رواں تھا وہ چال چل بھی گیا

ہم اس کے نقشِ قدم ہی تلاش کرتے رہے
وہ راستے میں کہیں راستہ بدل بھی گیا

اسیرؔ ہم تو رہے رات دن کی گردش میں
جمیلؔ وقت سے آگے کوئی نکل بھی گیا

○

○

مجھے فریب نہ دیں، میری خواہشوں سے کہو
نہ یاد آئیں، پرانی محبتوں سے کہو
یہ خواب خواب نگاہیں جھکی جھکی پلکیں
کچھ اور سوئی رہیں، ان قیامتوں سے کہو
تمام رات جگائیں ستارہ بار آنکھیں
کہاں ہیں چاند، ستاروں کی چشمکوں سے کہو
ہے آنسوؤں میں عجب رنگِ ارتعاشِ جمال
یہ آئینوں کا اجالا ہے، حیرتوں سے کہو
جو ہم سفر تھے سبھی راستوں میں چھوڑ گئے
ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں، مسافتوں سے کہو
گھٹاؤں سے بھی بجھی قاتلوں کی پیاس کبھی!
یہ اپنے خون کے پیاسے ہیں، دوستوں سے کہو
کوئی ثبوت تو ہو جرم بے گناہی کا!
کوئی گواہ تو لائیں، یہ مجرموں سے کہو!

تمام شہر میں اک میرا گھر ہی یاد رہا
ہیں چور گھر تو بہت، میرے منصفوں سے کہو
بچانے والی سبھی کشتیاں تو ڈوب گئیں
پکارتے ہو کسے، غم کے ساحلوں سے کہو
یہ سنگ میل کھڑے ہیں جو کتنی صدیوں سے
تمہارے ساتھ چلیں گے، مسافروں سے کہو
وہی بڑا ہے صداقت ہے جس کے پاس جمیلؔ
ہے ہر بہار، سرِ دار، عظمتوں سے کہو

○

○

وہ اتنے اور بھی رنجیدہ خاطر ہو گئے دیکھو
اٹھائی ہم نے جتنی دوستوں کی ناز برداری

○

پہلے ہی کم نہیں تھے یہاں تیرگی کے داغ
کیوں ہم کو بار بار ملے روشنی کے داغ!
ہم نے کہی جو بات وہی ان کہی رہی
دل ہی میں رہ گئے ہیں، کہی، ان کہی کے داغ
تو نے بھلا دیا ہے مگر صورتِ قمر
چہرے پہ سج رہے ہیں تری بے رخی کے داغ
اچھے تو ہو گئے ہیں تری دوستی کے زخم
پر زخم بھی تو چھوڑ گئے دوستی کے داغ!
فانوس جگمگائیں گے مریخ و ماہ کے
لیکن کہاں چھپاؤ گے یہ آگہی کے داغ!
سب زنگ زنگ آئینے صیقل تو ہو گئے
لیکن نہ آدمی سے مٹے آدمی کے داغ
آ دیکھ سجدہ گاہِ محبت جمیلؔ کی
معراجِ عاشقی ہیں یہی عاشقی کے داغ

○

○

رستہ روکے موت کھڑی ہے
لیکن اپنی عمر بڑی ہے
اس نے زخم دیئے ہیں جس کے
ہاتھوں میں پھولوں کی چھڑی ہے
باہر بھی اک ساون رُت ہے
آنکھوں میں بھی ایک جھڑی ہے
دن گزرا ہے کس مشکل سے!
اور اب سامنے رات کھڑی ہے!
لہو لہو ہے اندر باہر
اپنے آپ سے جنگ لڑی ہے
جینے کی سب شرطیں اچھی
لیکن موت کی شرط کڑی ہے
ہر ذرے میں تپتے سورج
کتنی پرآشوب گھڑی ہے!
آج کا دن تو کٹ جائے گا
آگے ساری عمر پڑی ہے

○

○

یوں فسردہ ہیں میرؔ ہوں جیسے
آدمی بے نظیر ہوں جیسے
اس طرح راستے میں بیٹھے ہیں
تیرے در کے فقیر ہوں جیسے
ایسے اک دوسرے کو تکتے ہیں
سارے مجرم ضمیر ہوں جیسے
یہ عناصر کی چار دیواری
اپنے گھر میں اسیر ہوں جیسے
دل میں ارمان یوں ہمکتے ہیں
گھر کے بچے شریر ہوں جیسے
یوں فروزاں ہیں پیار کے جگنو
روشنی کے سفیر ہوں جیسے
یوں ہیں تیشہ بدست سب فرہاد
خوگرِ جوئے شیر ہوں جیسے
ایسے آزاد پھر رہے ہیں جمیلؔ
مدتوں سے اسیر ہوں جیسے

○

○

پیار میں دل خوں ہو جانے دو نین کٹورے بھرنے دو
جب جب یاد آئے گی تمہاری پھوٹ بہیں گے جھرنے دو

من ساگر میں ڈوبنے والے پیار کی تہہ پا جاتے ہیں
جن کو ابھرنے کی جلدی ہے ان کو پار اترنے دو

دیے جلیں تو سارے گھروں میں جگمگ جگمگ ہوتی ہے
اپنا کام بھی بن جائے گا جگ کے کاج سنورنے دو

صبح ہوئی تو گھر گھر سورج دستک دینے آئے گا
تارا تارا بن کر چمکو' یہ بارات گزرنے دو

سچائی کی راہ میں مر جانا بھی یارو جینا ہے
آج اسی میں جیت ہے اپنی آج یہ بازی ہرنے دو

دل تو آخر دل ہے پیارے یہ کب راہ پہ آتا ہے!
تم بھی تو شاعر ہو' اِس کو بھی من مانی کرنے دو

○

○

جن کے خون سے ویرانے گلزار ہوئے
وہ بھی تو ہم جیسے ہی فنکار ہوئے

تیری یاد بسا کر سینے میں سوئے
خواب ہماری آنکھوں میں بیدار ہوئے

پھول سمجھ کر اس نے شاخ سے توڑ لیا
جانے کس کس کی آنکھوں میں خار ہوئے!

ساری ادائیں سیکھ لیں اپنے پیاروں کی
محفل محفل ہم بھی خوش اطوار ہوئے

ایک ہی شاخ پہ رین بسیرا دونوں کا
فرق ہی کیا ہے، پھول ہوئے یا خار ہوئے

ہاں سچ ہے میں آپ ہی اپنا دشمن ہوں
ہاں کب میرے دشمن، میرے یار ہوئے!

کیسے کیسے جانے والے لوگ جمیلؔ
دل کی دیواروں پہ نقش و نگار ہوئے!

○

○

رہزن کو اپنے ہاتھوں ساماں دے بیٹھے
ایک ذرا سی چوٹ لگی اور جاں دے بیٹھے
اب تو جسم کا خالی کاسہ ہی باقی ہے
اس کو اپنا دل' اپنا ارماں دے بیٹھے
آپ تو ڈوبے تھے اس کو بھی ہم لے ڈوبے
اک دل کو کیسے کیسے طوفاں دے بیٹھے!
کتنے سال مہینے گزرے' وہ نہیں گزرا
کیا لمحہ تھا جب اس کو پیماں دے بیٹھے!
صبح کی روشن دُھن میں گھر سے چلے پتنگے
شمع کی لو پہ اپنی جاں ' ناداں دے بیٹھے
تجھ میں ایسا کون سا بھید چھپا تھا جاناں!
جس کی کھوج میں ہم اپنا ایماں دے بیٹھے
تونے تو بس داد کے دو ہی لفظ کہے تھے
ہم تجھ کو اپنا سارا دیواں دے بیٹھے

○

○

کس بے رخی سے ہاتھ مرا چھوڑ کر گیا
پیمان دوستی کا وہ جب توڑ کر گیا

کیا شے تھی جس کو اس نے گلے سے لگا لیا
کیوں حسن و آب و رنگ سے منہ موڑ کر گیا!

بھرپور زندگی نے بھی کیا دے دیا اسے!
آشفتگی میں اپنا ہی سر پھوڑ کر گیا

اس ایک دل میں کتنے رفیقوں کا پیار تھا
یہ پیار ہی وہ جاتے ہوئے اوڑھ کر گیا

وہ کام عمر بھر جو نہ اس سے ہوا جمیلؔ
وہ کام راستے کا بس اک موڑ کر گیا

○

(حسن طاہر کی یاد میں)

○

ان بستیوں کو اور بھی سنسان کر گیا
جاتے ہوئے ہمیں تو وہ ویران کر گیا
تھی اس کے دل میں جو بھی وہی ٹھان کر گیا
وہ کب بھلا کسی کا کہا مان کر گیا!
ایک ایک کرکے توڑ دیئے اس نے سب کے سب
ہم سے وہ کتنے وعدہ و پیمان کر گیا!
وہ پرخلوص شخص تھا شاید اسی لئے
ہر ایک کے خلوص کو پہچان کر گیا
وہ موت کا تو راز نہ شاید سمجھ سکا
وہ زندگی کا بھید مگر جان کر گیا
تاریخ ساز موڑ کو کاٹا کچھ اس طرح
مشکل ہر ایک راہ کی آسان کر گیا
دنیا سے اس نے کچھ نہیں پایا تو کیا ہوا!
وہ اپنی آخرت کا تو سامان کر گیا!
چھوڑا نہیں تھا اس نے کبھی سچ کا راستہ
اس راستے میں جان بھی قربان کر گیا
نظروں سے ایک پل میں وہ غائب ہوا جمیلؔ
اس شعبدہ گری سے تو حیران کر گیا

○

(حسن طاہر کی یاد میں)

○

آؤ پت جھڑ میں کبھی حال ہمارا دیکھو
خشک پتوں کے سلگنے کا تماشا دیکھو
پاس آ کر مرے بیٹھو، مجھے اپنا سمجھو
جب بھی روٹھی ہوئی یادو، مجھے تنہا دیکھو
پھول ہر شاخ پہ کھلتے ہیں بکھر جاتے ہیں
کیا تماشا ہے سرِ نخلِ تمنا، دیکھو
اپنی پہچان سے عاری ہے بصارت کا جمال
آؤ اس دور کا بھی دیدۂ بینا دیکھو
ذات کا نور فقط دائرۂ ذات میں چُور
چاند کے گرد کبھی چاند کا ہالا دیکھو
کبھی ہم رنگِ زمیں ہے کبھی ہم دوشِ فلک
کہساروں سے اچھلتا ہوا دریا دیکھو

دور صحرا سے چمکتی ہوئی آواز سنو
پاس آ جائے تو یہ نغمۂ صحرا دیکھو
پھٹ پڑے گا تو چیخ جائیں گے منہ بند حصار
وقت کے دل میں ابلتا ہوا لاوا دیکھو
کھلتی جاتی ہے شفق رنگیٔ خوں تا بہ سحر
شب کے سینے میں جو پیوست ہے نیزہ' دیکھو
کام مرتا نہیں انسان کے مر جانے سے
ایک ہی نام کا ہر شہر میں چرچا دیکھو
یوں تو گھر ہی میں سمٹ آئی ہے ساری دنیا
ہو میسر تو کبھی گھوم کے دنیا دیکھو
اپنی آنکھوں میں اتر جاتی ہے ہر شام جمیلؔ
اپنی آنکھوں سے نکلتا ہے سویرا دیکھو

○

○

ہمارے چاہنے والوں کی کچھ کمی تو نہیں!
تمہارے بعد یہ محفل مگر جمی تو نہیں!

○

کسی روزن سے کوئی تازہ کرن ہی آئے
کوئی جھونکا ہی چلے بوئے چمن ہی آئے

گل بدن وادی و گلزار میں سرمستِ خرام
اب سرِ دار کوئی سوختہ تن ہی آئے

اتنی سنگین خموشی ہے کہ دم گھٹتا ہے
کسی جانب سے کوئی حرفِ سخن ہی آئے

کب سے جینے کا سلیقہ تو بھلا بیٹھے ہیں
کسی ڈھب سے ہمیں مرنے کا چلن ہی آئے

موسمِ گل نہ سہی صحبتِ یاراں نہ سہی
دشتِ غربت میں کوئی خارِ وطن ہی آئے

جس کے اعجاز سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ جائیں
ہم کو ایسا کوئی پیرایۂ فن ہی آئے

لب بہ لب پھول کھلیں تیری گھلاوٹ سے جمیلؔ
تو نہ آئے ترا بے ساختہ پن ہی آئے

○

○

میں کیوں نہ شیوۂ ہستی وہ اختیار کروں
زمانہ مجھ سے کرے اور میں تجھ سے پیار کروں

بھری بہار کے پہلو میں لا بٹھاؤں تجھے
کچھ اس طرح بھی تو آرائشِ بہار کروں

ترا تو جھوٹ بھی سچ ہی دکھائی دیتا ہے
اگر ترا نہ کروں، کس کا اعتبار کروں!

اسی میں عمر گزر جائے اور ختم نہ ہوں
میں تیرے پیار کی گھڑیاں اگر شمار کروں

اس آرزو میں نہ کیوں دل کا خون ہی کر لوں
کوئی تو کام ہو ایسا جو یادگار کروں

کوئی تو شغل رہے فصلِ گل کے آنے تک
اگر نہ پھول کھلیں خار ہی شمار کروں

تو تا بہ حدِ ابد بھی نہ آئے تو کیا ہوا!
میں یوں تو تا بہ ابد تیرا انتظار کروں

مجھے بلا تو رہا ہے تو اس کنارے سے
یہ سامنے ہے جو دریا اسے تو پار کروں

اس آئینے میں جمیلؔ ایک شکل ہی دیکھوں
میں ذکرِ دار کروں یا خیالِ یار کروں

○

○

شفق شفق میں مچلتی رہی ہیں تنویریں
تلاش کرتا رہا ہوں میں اپنی تعبیریں
کوئی بھی شکل مرے خواب کا جواب نہ تھی
بنا بنا کے مٹاتا رہا ہوں تصویریں
سزائیں ملتی رہیں جرمِ بے گناہی کی
مگر کسی نے بتائیں نہ اپنی تقصیریں
یہ کیسی آگ مرے جسم کے خمیر میں ہے
پگھل گئیں مرے اپنے لہو سے زنجیریں
ہر ایک دور کے رانجھے پکارتے ہی رہے
ہر ایک دور میں مرتی رہیں مگر ہیریں
ہم ان میں اپنی محبت کا رنگ بھرتے رہے
بنانے والے نے کیسی بنائیں تصویریں!
اگر نہ روح کی تعمیر ہو سکی ہم سے
تو کس کے نام کی، کس کام کی یہ تعمیریں!
ہمارے نام کا سکہ نہ چل سکا لیکن
دلوں میں ثبت رہیں گی ہماری تحریریں
کسی طرح تو زمانہ ہماری بات سنے
جمیلؔ نوکِ قلم ہی سے اپنا دل چیریں

○

○

یہ اور بات ہمیں صورتِ گلاب لگے
جمیل زخم لگے اور بے حساب لگے
تمہارے بعد نہ تکمیل ہو سکی اپنی
تمہارے بعد ادھورے تمام خواب لگے
میں کیسے تجھ کو پکاروں کہاں سے لاؤں تجھے
ترے بغیر اگر زندگی عذاب لگے!
میں شہسوار مگر راہ کے غبار میں گم
تو بے شمار حجابوں میں بے نقاب لگے
میں جتنی بار پڑھوں کیسے کیسے رنگ بھروں
ترا گلاب سا چہرہ مجھے کتاب لگے
ہر اک سوال پہ تو مسکرا کے رہ جائے
ہمیں تو ایک ہی جیسا ترا جواب لگے

نہ جانے کتنا تقدس ترے جمال میں ہے
ترے حضور گنہ بھی مجھے ثواب لگے
میں تیرے شہر سے گزروں تو جگمگا اٹھوں
ہر ایک باب مجھے روشنی کا باب لگے
دکھائی دے کبھی مہتاب میں تری صورت
کبھی تو دن کے اجالے میں آفتاب لگے
یہ فخر کم ہے کہ میں انتخاب ہوں اس کا
جو آپ سارے زمانے میں انتخاب لگے
جمیلؔ خواب حقیقت نما بھی ہوتے ہیں
وہی قریبِ رگِ جاں ہے جو سراب لگے

○

○

پھول کی صورت ترا چہرہ تروتازہ بھی ہے
گلشنِ ہستی کے چہرے کا یہی غازہ بھی ہے

○

اٹھو جمیلؔ حسنِ سحر تم بھی دیکھ لو
کُھلتا ہے آسمان کا در تم بھی دیکھ لو
ابھرے جب آفتاب تو آنکھوں کے نیل میں
پڑتے ہیں کیسے کیسے بھنور تم بھی دیکھ لو
اک اک کرن میں ہے مری دھڑکن کا زیر و بم
خورشیدِ زندگی کا سفر تم بھی دیکھ لو
آئے ہو چل کے جس کے لئے اتنی دور سے
وہ سامنے کھڑا ہے، اُدھر تم بھی دیکھ لو
تصویرِ کائنات کے ایک ایک رنگ میں
لو دے رہا ہے اپنا ہنر تم بھی دیکھ لو
قوسِ قزح میں پیار کی تتلی کے رنگ ہیں
یہ خواب، یہ خیال نگر تم بھی دیکھ لو

ہنس ہنس کے کس طرح سے گزرتی ہے زندگی
خاروں کے بیچ گل کا ہنر تم بھی دیکھ لو

یہ فرصتِ نگاہ' فقط ایک پل کی ہے
شبنم کا کھیل' رقصِ شرر تم بھی دیکھ لو

تاراج ہو گئے ہیں پرندوں کے گھونسلے
ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں وہ پر تم بھی دیکھ لو

انسان پی رہا ہے خود انسان کا لہو
دیکھا نہ جا سکے گا مگر تم بھی دیکھ لو

صدیاں گزر گئی ہیں کہ اپنی تلاش میں
خود زندگی ہے خاک بسر تم بھی دیکھ لو

خورشیدِ زندگی کے عروج و زوال میں
روشن ہے داستانِ بشر تم بھی دیکھ لو

شاید رہے نہ تم کو زر و سیم کی ہوس
میری طرح جہاں کو اگر تم بھی دیکھ لو

صبحِ ازل ہے شامِ ابد میں کھلی ہوئی
میری نظر سے ایک نظر تم بھی دیکھ لو

وہ رات آ گئی وہ کھِلے روشنی کے زخم
تاروں پہ خندہ زن ہے قمر تم بھی دیکھ لو

ڈوبا گدازِ دل میں مرا ذوقِ آگہی
آیا دعا میں سوز و اثر تم بھی دیکھ لو

ہم نے تو کاٹ لی یہ مسافت حیات کی
یہ زندگی کی راہ گزر تم بھی دیکھ لو
ٹھہرو کہ جاوداں ہے یہی عمرِ رائیگاں
یارو جمالِ شام و سحر تم بھی دیکھ لو
اس روز و شب کا حسنِ تسلسل تمہی تو ہو
شاید نہیں ہے تم کو خبر تم بھی دیکھ لو
جو مرکزِ نظر ہے بھری کائنات کا
چھوٹا سا وہ جمیلؔ کا گھر تم بھی دیکھ لو

○

○

وہی حالات رہتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں
نہ دن تیرے بدلتے ہیں نہ دن میرے بدلتے ہیں

○

یہ نیند کیا ہے یہ خوابوں کا سلسلہ کیا ہے!
کہو جمیلؔ رسا کیا ہے، نارسا کیا ہے!
ہتھیلیوں پہ لکیروں کا جال سا کیا ہے!
یہ راستے ہیں تو پھر گرد میں چھپا کیا ہے!
یہیں کہیں تو وہ ٹھہرا تھا قافلہ دل کا
ٹھہر ٹھہر کے تو ہر اک سے پوچھتا کیا ہے!
مری نگاہ میں کیا تیرا کوئی عکس نہیں!
تو اجنبی کی طرح مجھ کو دیکھتا کیا ہے!
ذرا سی کشتیٔ دل کو بھی وہ بچا نہ سکا
میں کیا کہوں کہ خدا کیا ہے، ناخدا کیا ہے!
اگر وجود نہیں منزلِ حقیقت کا
یہ سنگ میل ہے کیسا، یہ نقشِ پا کیا ہے!
چھپا ہے صبحِ ازل میں پیامِ شامِ ابد
تو رات دن کے تسلسل پہ سوچتا کیا ہے!
سبھی کے پاس مگر سب سے دور رہتا ہے
وہ ناشناس ہے کیسا، وہ آشنا کیا ہے!
تجھے تو اپنے کہے کی سزا ملی ہے جمیلؔ
میں چپ رہا تو مرے جرم کی سزا کیا ہے!

○

○

ہماری رسوائیوں کے منظر عجیب سے تھے
شجر' حجر' چاند اور تارے رقیب سے تھے
کہیں اُدھر سے محبتوں کا گزر نہیں تھا
کنارِ جاں نفرتوں کے جنگل مہیب سے تھے
ہر ایک ٹہنی پہ ایک سایہ لٹک رہا تھا
درخت جتنے کھڑے تھے سارے صلیب سے تھے
جہاں کی قسمت بنانے آئے تھے ہوٹلوں میں
ادیب تھے وہ مگر عجیب و غریب سے تھے
وہ مجھ میں تحلیل ہو گئے تھے پگھل پگھل کر
وہ دور رہتے ہوئے بھی کتنے قریب سے تھے!
فضا کے رنگوں میں میری آنکھوں کی روشنی تھی
ہوا کی سرگوشیوں کے لہجے حبیب سے تھے
تمہارے قدموں میں ان کو کتنا سکوں ملا تھا
وہی مسافر' ازل سے جو بے نصیب سے تھے
کچھ اتنی گہری تھی نیند' کوئی نہ جاگتا تھا
ہماری آواز کے تو تیور' نقیب سے تھے
جمیلؔ کتنی حسیں تھیں ان کی اداسیاں بھی!
امیر کتنے تھے لوگ' جتنے غریب سے تھے!

○

○

ذرا سا دل ہے مگر پھر بھی اپنے بس میں نہیں
یہ مانگتا ہے جسے میری دسترس میں نہیں
بدن کے مس میں تپش خون کی تو ہے لیکن
گدازِ روح کی گرمی لبوں کے رس میں نہیں
ہے یوں تو حسن کے برفاب کی بہت ٹھنڈک
مگر خلوص کی ضو، خواب گاہِ خس میں نہیں
یہ کس نے زہر سے بھر دی ہیں ساری شریانیں
کہ زندگی کی حرارت کسی بھی نس میں نہیں
تمام شہر میں خوشبو کا ذکر عام تو ہے
گلوں کی آنچ مگر سوزشِ نفس میں نہیں
قفس قفس میں ہیں یارو چمن چمن آبلو
چمن میں کون سی راحت ہے جو قفس میں نہیں!
فرازِ دار کہاں، پستیٔ غبار کہاں!
نصیبِ عشق ہے جو قسمتِ ہوس میں نہیں
دلوں کا ساز بھی خاموش ہو گیا اب کے
مگر وہ سوز بھی اب نغمۂ جرس میں نہیں
فریب و قتل کی خبروں سے بھر گئے اخبار
جمیلؔ ایک بشارت بھی اس برس میں نہیں

○

○

جو گر چکے ہیں انہیں بھی اٹھان دے کوئی
مری زمیں کو نیا آسمان دے کوئی
یہاں تو دل کی عدالت بھی بند ہے یارو
سنے گا کون کہ سچا بیان دے کوئی
کسی کی مفت کمائی' کسی کی رسوائی
اٹھائے فصل کوئی اور لگان دے کوئی
کہاں سے لاؤں ہدف' تیر ہی نہیں کوئی
کہ میرے ہاتھ میں خالی کمان دے کوئی
پکارتا ہوں تجھے شہرِ نارسائی میں
مہیب دشت میں جیسے اذان دے کوئی
میں کیا رہوں گا یہاں عارضی مکانوں میں
مجھے جہانِ ابد میں مکان دے کوئی
یہ خامشی تو مجھے قتل کر رہی ہے جمیلؔ
جو کٹ چکی ہے مجھے وہ زبان دے کوئی

○

○

لاجواب اور بہترین ہوتے
ہم بھی تم سے اگر حسیں ہوتے
جتنے چھائے ہوئے ہیں محفل پر
کاش اُتنے ہی دل نشیں ہوتے!
وہ مرے آس پاس ہی ہوتے
لامکاں ہوتے یا مکیں ہوتے
کرنے والے تلاش کر لیتے
چھپنے والے جہاں کہیں ہوتے
ہم تو رکھتے تھے فطرتِ اکسیر
زہر ہو کر بھی انگبیں ہوتے
ہم پہ تھا کچھ رقیب کا حق بھی
غیر ہوتا تو خشمگیں ہوتے
کیوں بناتے ہو یاد کے کتبے!
روح میں مقبرے نہیں ہوتے
زخم جو دوستوں سے ملتے ہیں
زخم وہ مندمل نہیں ہوتے

○

یہ چلتے ہیں تو سارے زخم کھل کر پھول بنتے ہیں
یہی اپنے مسیحا بھی' یہی دل کے بھنور' جھونکے
ہر اک لمحے پہ گزرے وقت کی تحریر لکھتے ہیں
جو سچ پوچھو تو اتنے بھی نہیں ہیں بے خبر جھونکے
پرندے بھی قفس کی تیلیوں کو توڑ سکتے ہیں
چمن میں اڑتے پھرتے ہیں اگر بے بال و پر' جھونکے!
بہت دم گھٹ رہا تھا دشتِ ظلمت میں جمیلؔ ان کا
ہمارے ساتھ ہی آئے ہیں چل کر تا سحر جھونکے

○

○

میں جانتا ہوں سب پہ جو افتاد پڑی ہے
لیکن مرے پیاروں کو مری فکر بڑی ہے

○

یہ حادثہ مرے خوں سے رقم بھی ہونا تھا
کہ تیرے بعد مرا سر قلم بھی ہونا تھا

میں ہم سفر تھا ترا تجھ سے تیز تر نکلا
کہ راہبر ترا نقشِ قدم بھی ہونا تھا

مری زمین ہے تو تیرا آسمان ہوں میں
یہ اتصالِ وجود و عدم بھی ہونا تھا

ترا وجود شبستانِ عالمِ موجود
ذرا رکا ہوں کہ یوں تازہ دم بھی ہونا تھا

تھے ہم پروئے ہوئے آرزو کے رشتے میں
یہ جستجو کا نوشتہ بہم بھی ہونا تھا

نگاہِ لطف غضب ہے نگاہِ قہر کے بعد
میں جی رہا تھا کہ آخر کرم بھی ہونا تھا

بھلا ہوا بھی کبھی ایک رخ پہ چلتی ہے!
کبھی تو طرۂ دستار خم بھی ہونا تھا

مری رگوں میں ہی پلتا رہا ہے یہ بارود
کہ ریزہ ریزہ کبھی کوہِ غم بھی ہونا تھا

اسی نے لوٹ لیا جس پہ اعتماد کیا
ستم جمیل برنگِ کرم بھی ہونا تھا

○

○

اس جہانِ رنگ میں پنہاں و پیدا کچھ نہیں
گر کوئی یوسف نہ ہو، خوابِ زلیخا کچھ نہیں

پھر رہا ہے یوں تمھارے شہر میں اک اجنبی
اس سے پہلے جیسے اس نے اور دیکھا کچھ نہ ہو

یوں ملے دونوں کہ جیسے کوئی نسبت ہی نہ ہو
میں بھی پتھر بن گیا، اس نے بھی پوچھا کچھ نہیں

جانتا ہوں میں جو مانگوں گا وہ دے سکتا نہیں
اس لئے شاید مرے لب پر تقاضا کچھ نہیں

سامنے جب تک نہ ہو منزل جمالِ دوست کی
یہ سفر بیکار ہے، یہ کارِ دنیا کچھ نہیں

موم ہو سکتا نہ ہو جس سے اندھیرے کا وجود
وہ نوائے مضمحل، چشمِ تماشا کچھ نہیں

اپنی آنکھیں تیز دریا، اپنے دل وحشی غزال
اور وہ، جن کو شعورِ دشت و دریا کچھ نہیں

کوئی تازہ گل کھلے اپنے لبِ اعجاز سے
دوستو اس کے سوا اپنی تمنا کچھ نہیں

ہم اِدھر غرقاب ہیں گہرے سمندر میں جمیلؔ
اور اُدھر بے آب چہروں سے ہویدا کچھ نہیں

○

○

سورج کے لئے ترس گیا ہوں
میں رات کی قبر میں پڑا ہوں
وہ جس کا نصیب ہے اندھیرا
میں ایسے دیئے میں جل رہا ہوں
منزل پہ پہنچ کے راہبر سے
منزل کا نشان پوچھتا ہوں
لمحے جو گزر چکے ہیں ان سے
صدیوں کا حساب مانگتا ہوں
زینے سے اتر رہا ہے کوئی
میں وقت کی چاپ سن رہا ہوں
رک جاؤں تو سنگ میل ہوں میں
ہو جاؤں رواں تو قافلہ ہوں
تجھ سا نہیں کوئی بھی جہاں میں
میں تیرا ہی ایک معجزہ ہوں

جنگل میں ہوا چلی ہے کیسی!
کیوں موجِ نفس! بھڑک اٹھا ہوں
چہرے پہ سجا لیا ہے سب کو
میں کتنا عجیب آئینہ ہوں!
ہے میری کہاں کہاں رسائی!
میں تیری دعا میں گونجتا ہوں
مرنے سے جمیلؔ خوف کیسا!
جینے کی طرح سے جی رہا ہوں

○

○

کتنے نشیمنوں کا سکوں راکھ ہو گیا!
تھیں کتنی بجلیاں جو سروں پر کڑک گئیں!

○

کوئی بھی بات ترے نام میں، نسب میں نہیں
اگر خلوص تری شدتِ طلب میں نہیں

سب اپنی اپنی انائیں اٹھائے پھرتے ہیں
کوئی بھی راہنما کاروانِ شب میں نہیں

میں سوچتا ہوں کہ تو راکھ ہو نہ جائے کہیں
کوئی بھی چشمۂ لب تیری تاب و تب میں نہیں

یہ کس کے پیار نے دل موم کر دیا تیرا
کہ اب ذرا سی بھی حدت ترے غضب میں نہیں

دل آنسوؤں سے ہے نم اور رات شبنم سے
جو دل میں سوز ہے ایسا گداز، شب میں نہیں

میں کیوں نہ پیار کروں پیار کرنے والوں سے
کوئی بھی حرفِ ملامت مرے ادب میں نہیں

ترا مقام انوکھا ہے حسن والوں میں
کہ یہ جمالِ محبت جمیلؔ سب میں نہیں

○

○

جو لفظوں کا جگر چیرا تو معنی کے گہر نکلے
بڑی مدت میں ان ویراں درختوں پر ثمر نکلے
اڑے پھرتے ہیں ہم بھی مہکی مہکی سی فضاؤں میں
اُدھر فصل بہار آئی' اِدھر اپنے بھی پر نکلے
تموج دائرہ در دائرہ تھا سطحِ دریا کا
جب اترے پانیوں میں دائرے سارے بھنور نکلے
ہمیں معلوم کیا تھا گھر میں دشمن چھپ کے بیٹھا ہے
ہم اپنے دل کی دھڑکن سے بھی کتنے بے خبر نکلے!
ہمارے چاہنے والے تماشا دیکھنے آئے
یہ کیسا جشن برپا ہے سبھی نیزوں پہ سر نکلے
زمینوں آسمانوں پر اندھیرا ہی اندھیرا ہے
ہزاروں روز و شب آئے بہت شمس و قمر نکلے
کوئی تو کنجِ زنداں میں جمیلؔ اپنا سہارا ہو!
کوئی اخبار ہی آئے' کوئی تازہ خبر نکلے

○

○

میں جب شہر سے نکلا تھا
بند ہر اک دروازہ تھا
وہ دل کے دروازے تک
مجھ کو چھوڑنے آیا تھا
دروازے پر دستک تھی
کوئی ہوا کا جھونکا تھا
اپنی انکھیں پیاسی تھیں
لیکن دل تو دریا تھا
اب تک ہوش نہیں آیا
اک دن اس کو دیکھا تھا
خود کتنا خاموش تھا وہ!
شہر میں جس کا چرچا تھا!
وہ بھولی صورت والا
کتنا اچھا لگتا تھا!

میرے پیار کا ساگر بھی
تیری آنکھوں جیسا تھا
کس کے پیار کی خوشبو تھی!
میں کس گھر میں ٹھہرا تھا!
تو ہی میری منزل تھی
میں ہی تیرا رستہ تھا
دور تھے ہم یا پاس جمیلؔ
تو میرا، میں تیرا تھا

○

○

ایسا ممکن تو نہیں پھر بھی خیال آتا ہے
یہ مزا پیار تماشا ہی نہ بن جائے کہیں!

○

دل نے پردہ جونہی سرکایا ہے
چاند کمرے میں اتر آیا ہے
کوئی چپکے سے چلا آیا ہے
مجھ کو تنہا جو کبھی پایا ہے
چند مرجھائے ہوئے یاد کے پھول
کوئی آیا ہے تو کیا لایا ہے!
پھر بھی میں اُس سے شکایت نہ کروں
جس نے برسوں مجھے تڑپایا ہے
میں کہاں تجھ سے جدا ہوتا ہوں
تیرا پیکر ہے مرا سایا ہے
آنکھ لگتی ہے تو کُھلتی ہی نہیں
دل ترے خواب چرا لایا ہے
تجھ کو کھو کر میں کسے پاؤں گا!
تو مری عمر کا سرمایا ہے
کچھ نہ کہہ کر بھی کہا ہے کیا کیا!
یہ بھی اظہار کا پیرایا ہے
مر کے ہو جاتی ہے کچھ اور جمیلؔ
زندگی کتنی گراں مایا ہے!

○

○

بڑا ہے نام ترا، کام بھی بڑا ہو گا
جو سچ کہا ہے تو سولی پہ بھی چڑھا ہو گا
یہ ایک حرفِ صداقت بدل نہیں سکتا
وہ حق پرست اسی بات پر اڑا ہو گا
بکھر گیا ہے دمِ صبح جو شفق کی طرح
تمام رات اندھیروں سے وہ لڑا ہو گا
یہ لوگ جس کو ابھی دفن کر کے آئے ہیں
وہ راستے میں اسی شان سے کھڑا ہو گا
شکستِ جاں نہیں ہوتی شکستگی تن کی
ہر ایک گام پہ جاں کا علم گڑا ہو گا
ہمیں ملے گا صدف ڈوب کر ابھرنے سے
مگر یہ تہہ کا سفر ہے بہت کڑا ہو گا
جمیلؔ پاؤں سنبھل کر اٹھا نیاز سے چل
کہ ذرے ذرے کا دل راہ میں پڑا ہو گا

○

○

جس کو دیوانہ کہا جائے گا
سب کو دیوانہ بنا جائے گا
پیٹھ پیچھے تری باتیں ہوں گی
سامنے کچھ نہ کہا جائے گا
سنگ برسیں گے اگر تو گھر کو
آئینہ خانہ بنا جائے گا
لکھے جائیں گے فسانے کتنے!
بات ایسی وہ سنا جائے گا
اوڑھ کر آئے گا پھولوں کی قبا
اور بے برگ و نوا جائے گا
پاس ٹھہری تو خزاں ٹھہرے گی
قافلہ گل کا چلا جائے گا
کیا خبر تھی متبسم چہرہ
جب گیا سب کو رلا جائے گا
آپ مر جائے گا اور جینے کا
راستہ ہم کو دکھا جائے گا
یوں ہمیں یاد وہ آئے گا جمیلؔ
اور بھی دل کو دُکھا جائے گا

○

○

خوب اندازِ پذیرائی ہے
شہر کا شہر تماشائی ہے
اب کے یوں بادِ صبا آئی ہے
پھول کانٹوں میں پرو لائی ہے
گر نہیں پھول تو پتھر ہی سہی
کچھ تو اظہارِ شناسائی ہے
کاغذی پھول ہیں خوشبو سے تہی
لوگ کہتے ہیں بہار آئی ہے
کیا کریں تجھ سے شکایت ہم نے
اپنے ہونے کی سزا پائی ہے
زندگی! میں نے پکارا تھا تجھے
تاج کانٹوں کا اٹھا لائی ہے!
آئینہ رنگ ہے فانوسِ خیال
کتنی روشن مری تنہائی ہے!

دیکھ تاروں کی چمکتی آنکھیں
رات کے پاس بھی بینائی ہے
آزما کر اسے دیکھو تو سہی
زندگی کارِ مسیحائی ہے
تیری کثرت میں ہے وحدت کتنی!
میں ہوں ہرجائی تو رسوائی ہے
تو جمال اور میں اک حرفِ جمیل
مجھ سے قائم تری یکتائی ہے

○

○

وہ رقص ہو سکا ہے کسی اور سے کہاں!
جو رقصِ جاں یہ دل کا حسیں مور کر گیا!

○

خود پہ اتنا نہ ستم اے مری تنہائی کر
گھر سے باہر بھی نکل، انجمن آرائی کر
ماضی و حال کے بھرپور خزانے بھی سمیٹ
آنے والے ہیں جو دن ان کی پذیرائی کر
ذرے ذرے میں ہے خورشید جہاں تاب کی ضو
ان کی جلوت سے بھی اندازہ بینائی کر
ماہ و انجم میں طلسمات چھپے ہیں کیا کیا!
منکشف بھی تو انہیں چشمِ تماشائی کر!
دشت و صحرا میں چمن یوں تو نہیں کھل سکتے
تجھ کو سودا ہے تو لوگوں کو بھی سودائی کر
روزِ اوّل سے مہکتی ہے جو تیرے دل میں
اس تمنا کی بھی تکمیل، تمنائی کر
ہے ترا نام جمیل اور ہے تو روح جمال
حسن کو یوں تو نہ رسوا مرے ہرجائی کر

○

○

آرزو تھی کہ گلستانِ صباحت میں رہوں
وقت کہتا ہے اسی شورِ قیامت میں رہوں

تجھ کو چاہا تھا اسی کی یہ سزا ہے شاید
زندگی بھر کے لئے شہرِ ندامت میں رہوں

تو مجھے چھوڑ بھی جائے تو سفر ختم نہ ہو
تری باتوں، تری یادوں کی رفاقت میں رہوں

تو مری جان بھی ہے، تو مری پہچان بھی ہے
تیری صورت میں رہوں تیری شباہت میں رہوں

جگمگاتے رہیں سوتے میں بھی آنکھوں کے چراغ
روشنی بن کے شبستانِ محبت میں رہوں

کیا خبر یوں ہی مرا خواب حقیقت بن جائے
اور کچھ دیر ابھی خوابِ حقیقت میں رہوں

تا ابد ختم نہ ہو میری ریاضت کا جمال
مر بھی جاؤں تو اسی کیفِ عبادت میں رہوں
آسمانوں سے بھی اونچی ہوں مری پروازیں
ہر بلندی پہ میں اپنے قد و قامت میں رہوں
ہر نیا دور جب آئے مری تجدید کرے
آتی جاتی ہوئی صدیوں کی مسافت میں رہوں
عظمتیں جس کی صداقت کی قسم کھاتی ہیں
اُسی انسان کی میزانِ عدالت میں رہوں
کیوں نہ آباد کروں میں کوئی دنیا اپنی
کیوں جمیلؔ اس کی تراشی ہوئی جنت میں رہوں

○

○

وہ جس کو زیست کا عرفان ہی نہیں ہوتا
وہ شخص صاحبِ ایمان ہی نہیں ہوتا

○

موجِ ہوا بھی اک گرداب سی لگتی ہے
سینے پر آ کر مضراب سی لگتی ہے
جو بھی آتا ہے وہ ڈوبتا جاتا ہے
جو ساعت بھی ہے گرداب سی لگتی ہے
روک رہے ہیں الجھی الجھی سانسوں سے
دل کی ہر دھڑکن سیلاب سی لگتی ہے
چھوڑ کے تنہا خود آگے بڑھ جاتی ہے
وقت کی چال مجھے احباب سی لگتی ہے
پھولوں کی رُت آنے کے دن بیت گئے
اب تو ہر خواہش اک خواب سی لگتی ہے
اوڑھ کے اسکو پیاسا ہی سو جاتا ہوں
آسمان کی چادر، آب سی لگتی ہے

جس صورت کو دل میں چھپائے پھرتا ہوں
وہ صورت کتنی نایاب سی لگتی ہے!
میرا سارا روپ ہے اس آئینے میں
مجھ کو یہ دھرتی مہتاب سی لگتی ہے
تیرے بدن کا لوچ مجھے یاد آتا ہے
سبزے کی چادر کمخواب سی لگتی ہے
آؤ ہم بھی چاند کی کشتی میں ڈولیں
یہ پگھلی چاندی سیماب سی لگتی ہے
اٹھتے بیٹھتے چہرے پڑھتا رہتا ہوں
اک اک صورت ایک کتاب سی لگتی ہے

○

○

کبھی کبھی کی اداسی تو کوئی بات نہیں
جمیلؔ کل کے مقدر میں دن ہے رات نہیں

○

نہ ہم سے پوچھ کہ جاں دی تو کیا دیا ہم نے
تمام شہر کو جینا سکھا دیا ہم نے

ہے جس کے پاس کوئی آرزو وہ آ جائے
بھری بہار میں میلہ لگا دیا ہم نے

نہ آئی جس سے ہمیں تیرے پیار کی خوشبو
وہ حرف، حرفِ غلط تھا، مٹا دیا ہم نے

ہمیں بہار نے گلنار کر دیا لیکن
اسے بھی نغمۂ بادِ صبا دیا ہم نے

لہو لہو تو ہوئے جانِ رنگ و بو کے لئے
چمن کو تحفۂ رنگیں قبا دیا ہم نے

ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں تھا مگر
ہتھیلیوں پہ بھی سورج اگا دیا ہم نے

کوئی تو ہو گا وہاں دوسرے کنارے پر!
کہ جستجو کا سفینہ بہا دیا ہم نے

ذرا سی دیر میں آفاق ہو گئے روشن
بس اک نگاہ سے پردہ ہٹا دیا ہم نے

کوئی کلیم نہ تھا شہرِ سامری میں جمیلؔ
تمام شہر کو آ کر جگا دیا ہم نے

○

○

چمن چمن میں ہے بکھرا ہوا جمالِ سحر
صبا کے ہاتھ میں ہے نافۂ غزالِ سحر

فضا میں پھیل گئیں جگمگاہٹیں کتنی
ترے خیال سے لو دے اٹھا خیالِ سحر

اسی سے چہرۂ ہستی شگفتہ و تازہ
اگرچہ ہم سے زیادہ ہیں ماہ و سالِ سحر

جواب صاف ہے چپ ہیں مگر زباں والے
کہ جیسے کوئی بھی سمجھا نہیں سوالِ سحر

سحر اجالنے والے سحر کو چھوڑ گئے
وہی ہے زخمِ سحرؔ جو تھا اندمالِ سحر

جمیلؔ روح کے پاتال ہو گئے روشن
فرازِ عرش سے اترا کوئی مثالِ سحر

○

○

اک نہ اک سورج اندھیری شب میں رخشندہ رہا
چلنے والوں کو ہمیشہ شوقِ آئندہ رہا
ایک اس رستے سے کھلتے ہیں ہزاروں راستے
حال کے لمحے میں جو زندہ ہے پائندہ رہا
کیسی سچی روشنی اُس کی ہر اک کروٹ میں ہے!
جو ستارا چاند کے دل میں بھی تابندہ رہا
دل تو تیرے پاس تھا اچھے دنوں کی یادگار
میں نہ تھا گھر میں ترے، میرا نمائندہ رہا
لا نہ سکتا تھا کہیں سے تیری چاہت کا جواب
ماں، میں تیرے پاس رہ کر بھی تو شرمندہ رہا

ق

فصل جو بوئی ہے تو نے فصل وہ کاٹوں گا میں
اس بھروسے پر میں تیرے بعد بھی زندہ رہا
میرے پہلو میں سبھی کے دل دھڑکتے تھے جمیل
اپنے گھر میں تھا مگر ہر گھر کا باشندہ رہا

○

○

ہزار زاویے حسن و ادا کے رکھتے ہیں
جو خود بہار ہیں تیور صبا کے رکھتے ہیں
عجیب چیز ہے دل کا نگار خانہ بھی
تمام نقش اُسی آشنا کے رکھتے ہیں
نہ جانے کب اسے خواہش ہو پھر گلابوں کی
ہم اپنے آپ کو گلشن بنا کے رکھتے ہیں
جو احترام بھی کرتے ہیں صحبتِ شب کا
وہ شام ہی سے دیئے سب جلا کے رکھتے ہیں
یہ روشنی ہے یہ بجھ کر بھی کم نہیں ہوتی
چراغ سامنے لا کر ہوا کے رکھتے ہیں
وہی جو سیلِ بلا بڑھ کے روک لیتے ہیں
وہ حوصلے بھی تو یارو بلا کے رکھتے ہیں
ہمیں کوئی بھی نگوں سار کر نہیں سکتا
ہم اپنے ہاتھ میں پرچم صدا کے رکھتے ہیں
اسی لئے تو ہمیں موت چھو نہیں سکتی
کہ دل میں زخم بھی ہم کربلا کے رکھتے ہیں
جمیلؔ پھیل رہی ہے خلوص کی خوشبو
کہ روز پھول نئے گھر میں لا کے رکھتے ہیں

○

○

ہم کو بھی اپنے دھیان میں رکھنا
یہ بھی تحفہ مکان میں رکھنا

یہ بھی کیا، دشمنی کیئے جانا
دوستی درمیان میں رکھنا!

ٹھیک جا کر لگے نشانے پر
تیر ایسا کمان میں رکھنا

اب محبت بھی بِک رہی ہے یہاں
دل بھی اپنا دکان میں رکھنا

ایک چہرہ ہے یا کہ دو چہرے!
سادگی، آن بان میں رکھنا

کیا تماشا ہے ہونٹ سی لینا
اور سیسہ بھی کان میں رکھنا

تھک کے گرنا نہیں چٹانوں پر
دم بھی اونچی اڑان میں رکھنا

ایک گھر ہے زمین پر تیرا
ایک گھر آسمان میں رکھنا

شہد گھل جائے سب زبانوں پر
وہ حلاوت زبان میں رکھنا

○

○

موسم ہوا کی عطر فشانی بھی لے گیا
وہ کیا گیا کہ میری جوانی بھی لے گیا

لایا تھا اپنے ساتھ نئے تتلیوں سے پھول
لیکن گیا تو یاد پرانی بھی لے گیا

لکھا ہوا ہے ریت پہ اب تیرا میرا نام
دریا تو آنسوؤں کی روانی بھی لے گیا

کیسے بجھے گی پیاس ہماری زمین کی
بادل تو اپنے ساتھ ہی پانی بھی لے گیا

سورج نے تار تار کیا دن کا پیرہن
جانے لگا تو شام سہانی بھی لے گیا

پہلے تو اس نے شہر سے اغوا کیا مجھے
اور اس کے بعد میری کہانی بھی لے گیا

لفظوں کو اس نے جھوٹ سکھایا کچھ اس طرح
ساری علامتوں سے معانی بھی لے گیا

کیا تھا ہمارے پاس بجُز حرفِ نارسا
آخر وہ یہ قلم کی نشانی بھی لے گیا

یوں تو ہوا کا ایک ہی جھونکا تھا وہ جمیلؔ
لیکن تمام شب کی گرانی بھی لے گیا

○

○

میری دھوپ جلائے مجھ کو' تیرا روپ غزل
تو ہے ٹھنڈی چھاؤں میرا ہاتھ پکڑ کے چل
جس پر آئیں ہر موسم میں تازہ پھول اور پھل
تو میرے اندر سے اگنے والی وہ کونپل
میں اک دل کا دریا جتنا گہرا' اتنا صاف
تو اس دل دریا کے اوپر بہتا نیل کنول
ہم دھرتی کی گود میں دیکھیں سارے خواب گلاب
اپنے سینوں کی دھڑکن میں صدیوں کی ہلچل
تیری خوشبو چلتا جادو' چاروں اور بہار
جو تیری نس نس میں اترے میں وہ امرت جل
اپنے فن میں ڈھلنے والے سب جذبے نایاب
دنیا لے تو ایک ہی دیکھا پیار کا تاج محل
میں اک دکھ کا صحرا جس پر ہر سو ریت ہی ریت
تو اک سکھ کا سپنا ریت سے اٹھنے والی چھل

آگے پیچھے' اوپر نیچے ایک سفر بے انت
یہ تیری چاہت کی باتیں اک پل یا دو پل
سارے چھوڑ کے جانے والے کیا راتیں کیا دن
دل کی بستی ایسی بستی جس میں آج نہ کل
زندہ رہنے والی چیزیں اک میں ہوں اک تو
پیار کا بندھن دائم قائم' یوں تو موت اٹل
ان دونوں کے بیچ ہمارا نگر نگر آباد
میں ہوں شام ابد کی پیارے تیرا نام ازل

○

○

کس نے بلا لیا ہے اسے دور افق کے پار!
کس جذبۂ وصال سے وہ دوڑ کر گیا!

○

جس کی کسک ہے وہ آئے گی تھوڑی دیر کے بعد
رات سہاگن بن جائے گی تھوڑی دیر کے بعد

کرنوں والے شوخ دوپٹے میں مسکائی رات
لیکن رات بھی پچھتائے گی تھوڑی دیر کے بعد

پھول سے خوشبو چاند سے جوتی اور سورج سے آگ
کتنی دور چلی جائے گی تھوڑی دیر کے بعد

تارے تھک کر سو جائیں گے بھیگ چلے گی رات
ہم کو بھی نیند آ جائے گی تھوڑی دیر کے بعد

تھوڑی دیر میں آئے گی شرمیلی سبز بہار
لیکن ہمیں کہاں پائے گی تھوڑی دیر کے بعد

○

○

رات کے پُل سے گزر جائیں گے ہم
صبح کے دل میں اتر جائیں گے ہم
زندگی ہے اپنی شبنم کی طرح
جتنا بکھریں گے نکھر جائیں گے ہم
روشنی میں ہم تو بے گھر ہو گئے
شام آئے گی تو گھر جائیں گے ہم
اوڑھ لی چہروں نے بھی بے چہرگی
وہ سمجھتے ہیں کہ ڈر جائیں گے ہم
سرزمینِ دل ہری ہو جائے گی
ڈالیاں پھولوں سے بھر جائیں گے ہم
روح کے گھاؤ چھپا لیں گے ذرا
پیشِ آئینہ سنور جائیں گے ہم
موت بھی ہے زندگی کا راستہ
کون کہتا ہے کہ مر جائیں گے ہم!
کون پھر ہم کو سنبھالے گا یہاں
تیری محفل سے اگر جائیں گے ہم!
اس کو جتنا جانتے ہیں ہم جمیلؔ
اس سے اتنے بے خبر جائیں گے ہم

○

○

اپنی آنکھوں میں فروزاں روشنی کے سات رنگ
کتنے پیارے ہیں ہماری دوستی کے سات رنگ
تیری دھڑکن میں چھپی ہے میرے دل کی کائنات
دیکھ لیتا ہوں میں اس میں شاعری کے سات رنگ
روحِ موسیقی سے پیدا جگمگاتے سات سُر
تیرے ہونٹوں پر اترتی نغمگی کے سات رنگ
زندگی کے رنگ یوں تو ان گنت اور بے شمار
جب دھنک میں ڈھل گئے تو زندگی کے سات رنگ
آسماں بھی سات ہیں تیری زمینیں بھی ہیں سات
قوس اندر قوس ہیں تخلیق ہی کے سات رنگ
چار دیواری عناصر کی، اکیلا ایک میں
اور میرے سامنے یہ ان کہی کے سات رنگ!
میں اگر ساتوں سمندر پار بھی کر لوں جمیلؔ
اس سے آگے بھی تو ہوں گے آگہی کے سات رنگ!

○

○

سرِ مقتل نمودِ جان و تن کی آزمائش ہے
وطن میں آج پھر اہلِ وطن کی آزمائش ہے
قفس اندر قفس دار و رسن کی آزمائش ہے
چمن اندر چمن سرو و سمن کی آزمائش ہے
گھٹائیں قہر کی چاروں طرف سے گھر کے آئی ہیں
چمن، بن، بحر و بر، کوہ و دمن کی آزمائش ہے
زبانیں گنگ ہیں اب دیکھئے اظہار کیونکر ہو!
کڑا موسم ہے اربابِ سخن کی آزمائش ہے
کسے معلوم ہے اب راہزن ہی راہبر ٹھہرے
کہ رہبر تو گئے سب، راہزن کی آزمائش ہے
جہاں پھولوں کی بارش تھی وہاں پیوست ہیں کانٹے
ہر اک سیمیں بدن، گل پیرہن کی آزمائش ہے
وہ اپنے دل کو مہکائے کہ سب کی آنکھ بن جائے
بھرے گلشن میں ہر غنچہ دہن کی آزمائش ہے

وہ جوئے شیر کیا' ہر سو لہو کی نہر بہتی ہے
نئے انداز سے اب کوہکن کی آزمائش ہے
سفیدی میں بھی سرخی آ گئی حالات کیا بدلے
کفن کی آزمائش میں' چمن کی آزمائش ہے
پھر اُس کے بعد کرنوں کی شہادت کون روکے گا!
شبِ تاریک میں پہلی کرن کی آزمائش ہے
اس آشوبِ جہاں میں کون کس کے کام آتا ہے!
ہمارے فن' تمہارے بانکپن کی آزمائش ہے!
حضورِ بادشہ کوئی قصیدہ کیوں کہے غالبؔ!
کہ پیشِ زندگی اب فکر و فن کی آزمائش ہے
جمیلؔ انسانیت کا ایک جیسا ہی وطن ہو گا
جہادِ زیست میں ہر بے وطن کی آزمائش ہے

○

○

تنگ آ کے میں نے صبر کی دیوار توڑ دی
اور اس کے بعد جبر کی دیوار توڑ دی

○

ازل ابد کے کناروں کے درمیاں رہنا
تھکن کا نام نہ لینا رواں دواں رہنا
شجر شجر کی طرح سبز سائباں بن کر
زمیں کے ہم سفرو' زیرِ آسماں رہنا
کبھی خزاں کے ستم سے نہ ہارنا لوگو
چمن بدوش ہی رہنا جہاں جہاں رہنا
زمیں میں دفن خزانے ہیں منتظر تیرے
یہ کیا لحد کی طرح رنجِ رائیگاں رہنا
لپٹ کے پاؤں سے ریگِ رواں یہ کہتی ہے
تمہی تو وقت ہو' ہمراہِ کارواں رہنا
بکھر ہی جائے گا یہ نفرتوں کا ریت محل
تمہارا نام محبت ہے جاوداں رہنا
نظر نظر میں پرونا صدف صدف موتی
سمندروں کی طرح تم بھی بے کراں رہنا

بوقتِ صبح پرندوں کا ہم سفر ہونا
تمام رات نگہبانِ آشیاں رہنا
اس ایک لفظ سے کھلتے ہیں کتنے دروازے
بس ایک حرفِ صداقت کے ترجماں رہنا
بھلا نہ دینا نگارِ سحر، بہارِ چمن!
شفیق ماں کی طرح مجھ پہ مہرباں رہنا
کبھی وجود سراپا، کبھی عدم آغوش
جمیلؔ ہم کو پڑا ہے کہاں کہاں رہنا

○

○

وہ آگاہی ہمارے پیار کی بنیاد ٹھہری ہے
ہمالہ سے جو اونچی ہے سمندر سے جو گہری ہے

○

باندھا ہے جو پیمانِ وفا بھول نہ جانا
یہ اپنا کہا اور سنا بھول نہ جانا
شاداب چمن ہے اسے شاداب ہی رکھنا
رستہ مرے گلشن کا صبا! بھول نہ جانا
کانٹوں کی بھی توقیر اِسی آب و ہوا سے
یہ پھول یہ سبزہ یہ ہوا بھول نہ جانا
جو میری ہر اک سانس سے وابستہ ہوئی ہے
وہ دل کے دھڑکنے کی ادا بھول نہ جانا
جس لغزشِ پا ہی نے دیا ہم کو سنبھالا
نظروں کی وہی لغزشِ پا بھول نہ جانا
روشن ہے محبت سے بہت پیار گھروندا
جلتا ہوا کٹیا کا دیا بھول نہ جانا
آتے ہوئے لمحوں کی عناں گیر ہے یہ بھی
جاتے ہوئے لمحوں کی صدا بھول نہ جانا
ہر صبح سکھاتی ہے نئے پیار کے اسلوب
سورج کی شفق، رنگِ ضیا بھول نہ جانا
ہے شور جمیلؔ آج بہت دادِ سخن کا
اس شور میں تم اپنی نوا بھول نہ جانا

○

○

ایک میلہ سا لگا رہتا ہے دربان کے پاس
سب کے ہوتے ہوئے تنہائی ہے سلطان کے پاس

گھر کا ہر قفل تو اک اِسم سے کھل سکتا ہے
دل کی چابی ہی نہیں گھر کے نگہبان کے پاس

خود ہی انسان کو انسان کی پہچان نہیں
ورنہ اب کون سا جوہر نہیں انسان کے پاس!

سارے کردار ہوئے ذات کے آشوب میں گم
اب یہاں کوئی کہانی نہیں عنوان کے پاس

اپنا وعدہ بھی نشانی کی طرح چھوڑ گیا
اس کا پیمان تو ہے، وہ نہیں پیمان کے پاس

تیرے گھر کے در و دیوار سہی، تو نہ سہی
تری خوشبو تو ہے باقی، ترے مہمان کے پاس!

یادگاروں کے سوا کس کا ٹھکانہ ہے یہاں!
اک تری یاد بست ہے دلِ ویران کے پاس

تم مری جاں نہ سہی تم مرا ارمان تو ہو!
اپنی پہچان تو رہنے دو مری جان کے پاس!

شہرِ دل راکھ سہی، راکھ ہے اکسیر جمیلؔ
بس یہی کچھ ہے ترے سوختہ سامان کے پاس

○

○

تو نے مجھے بھی کھیل تماشا سمجھ لیا
میں کیا تھا اور تو نے مجھے کیا سمجھ لیا!

حیرت کدے میں راستہ بھولے ہوئے ہیں لوگ
اک عارضی پڑاؤ کو دنیا سمجھ لیا

صدیوں کی پیاس ریگِ رواں سے بجھے گی کیا!
پیاسوں نے کیوں سراب کو دریا سمجھ لیا!

ستّی کے دل کی ہوک وہاں کوکتی پھرے
لوگوں نے جس کو نغمۂ صحرا سمجھ لیا

اک لہر سی اٹھی تھی خیالوں کے آس پاس
ہم نے اسے بھی یاد کا جھونکا سمجھ لیا

یہ جھوٹ اور سچ تو پرکھنے کی بات تھی
جو پیار سے ملا اسے سچا سمجھ لیا

ماں کی طرح زمین کا رشتہ بھی خوب ہے
ہر اجنبی دیار کو اپنا سمجھ لیا

گھر میں دیے کی لو ہے مگر یہ بھی کم نہیں
ہم نے اسی کو گھر کا اجالا سمجھ لیا

کس کو خبر کہ آج بھی تو اپنے پاس ہے
سب نے ترے جمیلؔ کو تنہا سمجھ لیا

○

○

اپنی ہی ذات کی تجدید ہوں میں
ہر نئے دور کی تمہید ہوں میں
جس کی کرنوں میں ہے پیغامِ صبا
وہ ابھرتا ہوا خورشید ہوں میں
ندرتیں مجھ میں ہیں کیسی کیسی!
رونقِ جلوۂ توحید ہوں میں
میرا ہونا ہے گواہی تیری
تو خدا ہے تری تائید ہوں میں
آج تک جو کبھی پوری نہ ہوئی
وہ تری آرزوئے دید ہوں میں
روز چلتا ہوں نئی راہوں پر
اس لئے قابلِ تقلید ہوں میں
میرے اظہار کے دو پیمانے
کبھی ذرہ، کبھی خورشید ہوں میں
مجھ میں ہے عکسِ فروزاں تیرا
دیکھ لے مجھ کو تری عید ہوں میں
مجھ کو ہاتھوں سے نہ جانے دو جمیل
دہر کی آخری امید ہوں میں

○

○

امر ملن اک سندر سپنا' سپنا کس کو راس!
یہ جیون یا وہ جیون ہو' دونوں ہیں بن باس
تو نہیں آیا تو اس دل کو کیا کیا ہے وسواس!
دھڑکن دھڑکن ایسے چپ ہے جیسے شام اداس
تنہائی کا پھیلتا جنگل گھر سے مسافر دور
کس کو دل کا حال سنائے کوئی آس نہ پاس!
رُت بدلے تو ایک سے کے روگ سبھی کٹ جائیں
لیکن آ کر کون بجھائے جنم جنم کی پیاس!
جاتے جاتے اس نے کہا تھا ملیں گے اب اُس پار
مر کر بھی کب مر سکتی ہے جینے کی یہ آس!
گھور گھنیرے اندھیاروں میں ہم دونوں کا ساتھ
آشا میری جیون جوتی میں ہوں اس کا داس
کوئی من مندر میں بیٹھا مجھ سے کہے جمیلؔ
تو ہی میرے پیار کی خوشبو تو ہی مرا لباس

○

○

سنی گئی ہے مناجات، ایک عمر کے بعد
کٹی وہ رات، بنی بات، ایک عمر کے بعد

لگے گی عمر سحر کو سنوارنے کے لئے
ڈھلی ہے غم کی سیہ رات ایک عمر کے بعد

دیارِ یار سے چاہت کی عطر بیز ہوا
اڑا کے لائی ہے سوغات، ایک عمر کے بعد

کسے خبر کہ یہ راس آئے یا نہ راس آئے!
ہوئی تلافئ مافات، ایک عمر کے بعد

دراز دستئ قاتل کی بات کیوں نہ لکھوں!
ملے ہیں مجھ کو مرے ہاتھ ایک عمر کے بعد

ہماری اپنی ریاضت ہی اپنے کام آئی
دکھائی تو نے کرامات، ایک عمر کے بعد

تو آئینہ تھا مرا تیرے روبرو آخر
نکھر کے آئی مری ذات ایک عمر کے بعد

یہ کائنات پرانی کبھی نہیں ہوتی
نئے نئے ہیں سوالات، ایک عمر کے بعد

تھکن اتار گئی انتظار کی ساری
یہ مختصر سی ملاقات، ایک عمر کے بعد

یہ کائنات بھی دلہن بنی ہوئی ہے جمیلؔ
زمیں پہ اتری ہے بارات، ایک عمر کے بعد

○

○

غنچہ تھا، پھول بن نہ سکا اور مر گیا
پھر بھی جہاں کو اپنی مہک سے وہ بھر گیا

○

بنیاد پہ کیا بیتی، دیوار پہ کیا گزری!
جب ہم تھے پسِ زنداں، گلزار پہ کیا گزری!
اجڑی ہوئی بستی کے افسانے سناتے ہو!
آؤ تو دکھاؤں میں، آثار پہ کیا گزری!
شہکار کو ہم گھر سے بازار میں لے آئے
بازار تو جھوم اٹھا، شہکار پہ کیا گزری
گل‌چیں کا تو کام اتنا ہر پھول سے کھُل کھیلے
دل والے ہی جانے ہیں ہر خار پہ کیا گزری!
زردار نے بانٹیں ہیں آپس میں کمیں گاہیں
تیروں سے کبھی پوچھو، نادار پہ کیا گزری!
جس دار پہ لٹکاؤ، بے جرم جواں لاکھوں
یہ بھی تو کبھی سوچو، اُس دار پہ کیا گزری!
مظلوم رعایا تو جیسی تھی سو ویسی ہے
جب تخت و علم بدلے سرکار پہ کیا گزری!
سامانِ ستم نکلے، شاہوں کے بھرم نکلے
سر ہی کو خبر ہو گی، دستار پہ کیا گزری!
سب یار جمیلؔ اپنے ہیں شہر بدر جب سے
ہم سوچتے رہتے ہیں ہر یار پہ کیا گزری

○

○

زمین و آسماں پہ آرزو کے سلسلے کھلے
یہاں وہاں قدم قدم پہ کتنے راستے کھلے!
بکھر گئے تو کوئی مرحلہ بھی دلکشا نہ تھا
مگر سبھی بہم چلے تو سارے مرحلے کھلے
عجب طرح نظر کے سامنے شفق بکھر گئی
افق افق پہ اک نئی سحر کے معجزے کھلے
خود اپنے روبرو تو سب ہی آئینہ بدست تھے
ہر اک نظر پہ کیا مگر دلوں کے آئینے کھلے!
تمہارے بعد بند تھے تمام در نجوم کے
تم آ گئے تو اپنی قسمتوں کے زائچے کھلے
سبھی کے سامنے یہ اشک یہ گہر لٹائیں کیا!
تمہارے روبرو ہی اپنے دل کے آبلے کھلے
جلا رہی تھی دوستوں کو تشنگی فراق کی
بہ اتفاق مل گئے تو خوب دل جلے کھلے
دُھلی فضاؤں میں جمالِ رنگ رنگ گھل گیا
ہر اک زبان و لب پہ گفتگو کے ذائقے کھلے
کتابِ زندگی ورق ورق جمیلؔ پڑھ چکے
کمالِ ذوق و شوق کے تمام زاویے کھلے

○

○

یہی نہ سمجھو کہ میرے چہرے پہ خوش جمالوں کی روشنی ہے
یہ عمر بھر کے تمام سچ، حسیں خیالوں کی روشنی ہے
یہ دیکھتے دیکھتے مرے گھر میں کیا اجالا سا ہو گیا ہے
یہ دھوپ نکلی ہے صبحِ نو کی کہ آنے والوں کی روشنی ہے!
جو رات کی ظلمتوں کو تسخیر کرنے نکلے تھے پھر نہ لوٹے
افق افق کی گلابیوں میں انہی جیالوں کی روشنی ہے
جو جلوہ آرا ہے سب زمینوں سب آسمانوں کی وسعتوں میں
سبھی کتابوں، سبھی صحیفوں، سبھی حوالوں کی روشنی ہے
دلوں کے مندر سے رات دن گھنٹیوں کی آواز آ رہی ہے
اگر سمجھ پاؤ تو یہی روح کے شوالوں کی روشنی ہے
ازل سے تقسیم ہوتے ہوتے جو اپنے حصے میں آ گئی ہے
نئے زمانوں کی آگہی ہے یہ باکمالوں کی روشنی ہے
جو میری آنکھوں کے روزنوں سے جمیلؔ چھن چھن کے آ رہی ہے
وہ دل سمندر کی تہہ سے ابھرے ہوئے سوالوں کی روشنی ہے

○

○

ظلم و نفرت کی یہ دیوار گرا دی جائے
اک نئے دور کی بنیاد اٹھا دی جائے

اس قدر روشنیوں میں بھی اندھیرا ہے بہت
لو چراغوں کی ذرا اور بڑھا دی جائے

جو نہ کہنے سے بھی اک حشر بپا ہوتا ہے
کیسے وہ بات بھی سینے میں دبا دی جائے

اپنے گلزار کو ہی آگ نہ لگ جائے کہیں!
تند شعلوں کو نہ اتنی بھی ہوا دی جائے

وہ جو مارے گئے حالات سے لڑتے لڑتے
ان شہیدوں کو بھی رنگین قبا دی جائے

وہ جو لوگوں کی محبت کو عبادت سمجھے
ایسے مجرم کو سزا دی کہ جزا دی جائے!

جو گھروں کو بھی دلوں کو بھی منور کر دے
اُس ابھرتے ہوئے سورج کو صدا دی جائے

پاس آ جائے گا وہ دور سے آنے والا
سب کی آواز میں آواز ملا دی جائے
خیر مقدم کے لئے کچھ تو کرو ہم سخنو
آج گلشن میں چلو دھوم مچا دی جائے
جس کی ہر بات میں اک بات چھپی تھی یارو
کیسے اُس شخص کی ہر بات بھلا دی جائے
نیکیاں شہر میں جو بانٹتا پھرتا ہے جمیل
ایسے درویش کو کیوں کر نہ دعا دی جائے!

○

○

ہمارے تیر بھی سب ساتھ لے گیا اپنے
ہر ایک ہاتھ میں خالی کمان چھوڑ گیا

○

حرف کی حرمت لٹ جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے
چلتی پھرتی لاشیں یا پھر ایک خدا رہ جاتا ہے
جانے والے جاتے ہیں تو پھر کب واپس آتے ہیں!
گھر کے طاق پہ جلتا بجھتا ایک دیا رہ جاتا ہے
پھولوں کے پیراہن میں بھی ساری جوت ہے چاہت کی
خوشبو اڑ جائے تو باقی رنگِ قبا رہ جاتا ہے
بادِ صبا تو پھول کھلا کر خود آگے. بڑھ جاتی ہے
نقش ہمیشہ دل پر لیکن نقشِ صبا رہ جاتا ہے
پیکر تو سب گھل جاتا ہے قوسِ قزح کے رنگوں میں
موجِ ہوا میں رقصاں اس کا حسنِ ادا رہ جاتا ہے
اپنے پیار کی ساری چاندی ہم پہ لٹا دیتا ہے چاند
شب کا سفر طے کرتے کرتے چاند میں کیا رہ جاتا ہے!
دل سے نکلنے والی دعائیں سب کے کام آ جاتی ہیں
اپنے پاس جمیلؔ یہ خالی دستِ دعا رہ جاتا ہے

○

○

فرق کچھ بھی نہ پڑا کام بدل جانے سے
دل بھی بدلا ہے کبھی نام بدل جانے سے!

آج بھی گھر میں ہیں گزری ہوئی روحیں آباد
نہ گئی یاد، در و بام بدل جانے سے

ہر نئے دور نے تلقیں تو بہت کی لیکن
ہم نے بدلے سحر و شام بدل جانے سے

جسم بِکنے لگے بازار میں، جب دام بڑھے
روح لیکن نہ بِکی دام بدل جانے سے

زندگی ایک نئی دھج سے باندازِ جمیلؔ
سج کے نکلی روشِ عام بدل جانے سے

○

○

رات کے جشنِ ماہتابی سے
داغ لو دے اٹھے شہابی سے

تجھ سے خوشبو گلاب کی آئی
مِل کے تجھ سے ہوئے گلابی سے

تیرے چہرے کی آنچ ایسی تھی
ہو گئے ہم بھی ماہتابی سے

جسم کندن سا کِھل گیا تیرا
صبح کے غسلِ آفتابی سے

ذہن پیکر تراش لیتا ہے
تیرے پیکر کی لاجوابی سے

خواہشیں کچھ مری ہیں حرف نما
نقش تیرے ہیں کچھ کتابی سے

ہم کو تیرا پتہ ملا تو ملا
دل کی اس خانماں خرابی سے

عمر بھر یوں تو مے نہیں چکھی
تیری دھن میں رہے شرابی سے

ہو گئے کس قدر حسین و جمیل
تیری محفل میں باریابی سے

○

○

جائیں گے اُدھر ہم کہ ہمیں پیاس بہت ہے
دلدار کے کوچے کی ہوا راس بہت ہے
کب تجھ سے جدائی کا تصور ہے گوارا!
تو دور ہے جتنا بھی مرے پاس بہت ہے
ہے طرفہ چمن ڈھلتا ہوا حسن بھی تیرا
باسی ہی سہی پھول مگر باس بہت ہے
چیزیں تو بہت اور بھی ہیں نادرونایاب
اک حرفِ محبت ہے کہ جو خاص بہت ہے
اِس دل کے گہر سا مگر انمول نہ ہو گا
ہم جانتے ہیں قیمتِ الماس بہت ہے
بانٹوں گا میں جتنا بھی اسے اور بڑھے گی
یہ پیار کی دولت کہ مرے پاس بہت ہے
امید کا دامن کبھی چھوڑا نہیں ہم نے
پُر یاس فضاؤں سے جمیلؔ آس بہت ہے

○

○

تم جسے چاہو اسے پیار کرو
میری چاہت سے نہ انکار کرو
پیار کا لفظ مقدس ہے اسے
یوں نہ رسوا سرِ بازار کرو
میرا جینا مجھے دشوار سہی
اپنا جینا تو نہ دشوار کرو
تم تو خوشبو کے تمنائی ہو
خس و خاشاک کو گلزار کرو
کوئی قصہ، کوئی نغمہ، کوئی دُھن
مضطرب روح کو سرشار کرو
یہ پرانا کبھی ہوتا ہی نہیں
حسن کی جتنی بھی تکرار کرو
چاہے دشمن بھی ہو انسان تو ہے
اس کا نفرت سے نہ اظہار کرو
ہم نے اک عمر گزاری ہے یہاں
احترامِ در و دیوار کرو
سرِ گلزار جو کہتے ہو جمیلؔ
کبھی وہ بات سرِ دار کرو

○

○

خواہشِ دید ہے تو ذوقِ نظر لے کے چلو
اپنی لیلیٰ کے لئے کاسۂ سر لے کے چلو
کس نے تم سے یہ کہا ہے کہ کھنڈر لے کے چلو
چند کلیاں ہی سہی' زادِ سفر لے کے چلو
کچھ نہ کچھ پیش تو کرنا ہے اسے تحفۂ دل
کچھ نہیں پاس تو اشکوں کے گہر لے کے چلو
تم کو تنہائی کا احساس نہ ہونے دے گی
تم مری یاد بھی دھڑکن میں اگر لے کے چلو
شاخ در شاخ رواں جوئے نمو بن کے رہو
خشک و ویران درختوں پہ ثمر لے کے چلو
کسی اخبار میں کوئی بھی نہیں خوش خبری
تم چلو گھر سے تو روشن سی خبر لے کے چلو
کیسے ڈوبیں گے یہ اپنوں کو ڈبونے والے!
دل میں سیلاب تو آنکھوں میں بھنور لے کے چلو
واپسی کا تو ارادہ نہ کرو ہم سفرو!
جذبِ منزل میں رہو کچھ بھی نہ گھر لے کے چلو
پیاس بجھتی ہے دلوں کی اسی جوہر سے جمیلؔ
اہلِ دل کے لئے سوغاتِ ہنر لے کے چلو

○

○

اپنی دھرتی کا جو سپاہی ہے
اس کے قدموں تلے تو شاہی ہے
ہم سفر ہو کے بھی خبر نہ ہوئی
کیسی منزل کا وقت' راہی ہے!
ان کو انصاف کب ملے گا یہاں
جرم ہی جن کا بے گناہی ہے!
جس کا آغاز حسن و خیر سے تھا
اس کا انجام کیا تباہی ہے!
صبح نو دور' تا بہ حدِّ نظر
ایک نامختتم سیاہی ہے!
یہ جو اظہارِ التفات سا ہے
دشمنی ہے کہ خیرخواہی ہے!
کیا ہُوا تم سے گر صلہ نہ ملا
ہم نے اپنی وفا نباہی ہے

زندگی! تجھ سے پیار کرتے رہے
کب مگر ہم نے داد چاہی ہے!
ان کے ہی نام ہے بقائے دوام
جن کے ہاں وقت کی گواہی ہے
میری تخلیق ہے تری تکمیل
یہی دونوں کی جلوہ گاہی ہے
عکس میں بھی جمیلؔ اسی کا ہوں
جس کی پہچان بے پناہی ہے

○

○

جو اک خواب ہے وہ حقیقت بنا لیں
اسی اپنی دنیا کو جنت بنا لیں

○

چاہئے یوں تو جہاں بھر سے محبت کرنا
شرطِ اول ہے مگر گھر سے محبت کرنا
یوں ہے جیسے کسی شاداب چمن میں رہنا
حسن کی روحِ معطر سے محبت کرنا
خوبروؤں کی محبت سے بہت مشکل ہے
اپنے قاتل سے، ستم گر سے محبت کرنا
اک ذرا ہاتھ لگایا تو پگھل جائے گا
نہ کسی برف کے پیکر سے محبت کرنا
رات ہی رات کی اس آنکھ مچولی کے سوا
اور کیا ہے مہ و اختر سے محبت کرنا!
چڑھتے سورج کی محبت سے بھی کچھ کم تو نہیں
ڈوبتے چاند کے منظر سے محبت کرنا
ہو جہاں پھول سے چہروں پہ خزاں کی زردی
کیا وہاں لعل و جواہر سے محبت کرنا!
ڈوبنے اور ابھرنے کا ہے مفہوم یہی
کسی گوہر سے، شناور سے محبت کرنا
بیکرانی بھی، روانی بھی اسی سے ہے جمیلؔ
دل سے کرنا یا سمندر سے محبت کرنا

○

ں

کن موسموں میں آئے گی اکیسویں صدی!
کیا کیا ہمیں دکھائے گی اکیسویں صدی!
کتنے نئے چراغ جلانے کے واسطے!
کتنے دیئے بجھائے گی اکیسویں صدی!
جگنو، جو آندھیوں میں، اندھیروں میں کھو گئے
ان کو کہاں سے لائے گی اکیسویں صدی!
سوکھے ہوئے لبوں پہ جو صدیوں کی پیاس ہے
کیا پیاس وہ بجھائے گی اکیسویں صدی!
ہر اک صدی کے خواب نئے اور نئے عذاب
کیا کھیل اب رچائے گی اکیسویں صدی!
یہ بیسویں صدی تو قیامت سے کم نہ تھی
کیا حشر اب اٹھائے گی اکیسویں صدی!
سب کے دلوں میں گونج ہے جس انقلاب کی
وہ گونج کیا سنائے گی اکیسویں صدی!
کیا اپنے ساتھ لائے گی رقصِ بہار بھی!
آنے کو یوں تو آئے گی اکیسویں صدی!
جتنے سوال دل میں ہیں شعلہ فشاں جمیلؔ
سب کا جواب لائے گی اکیسویں صدی!

○

○

لٹے ہوئے سب مکان اپنے حسیں مکینوں کو ڈھونڈتے ہیں
جو لوگ صحراؤں میں پڑے ہیں وہ گل زمینوں کو ڈھونڈتے ہیں
اگر نہ وہ مل سکے ہمیں ان کی روشنی تو ہمیں ملے گی
جو خاک کا رزق ہو چکے ہیں ہم ان دفینوں کو ڈھونڈتے ہیں
نہ جانے اُن کو ملا بھی ہے یا نہیں ملا دوسرا کنارا!
جو جا کے لوٹے نہیں ہیں اب تک ہم ان سفینوں کو ڈھونڈتے ہیں
وہ جن کے چہروں پہ چاندنی تھی وہ جن کی باتوں میں زندگی تھی
جو گم ہوئے وقت کے سفر میں انہی حسینوں کو ڈھونڈتے ہیں
نہ اب وہ آدابِ عاشقی ہیں نہ اب وہ بزمِ چمن رہی ہے
جو شورِ محفل میں کھو چکے ہیں اُنہی قرینوں کو ڈھونڈتے ہیں
یہ کیسے کیسے چراغ عظمت کے ان کی آنکھوں میں جل رہے ہیں
یہ بات کیا ہے کہ خاک زادے فلک نشینوں کو ڈھونڈتے ہیں!
گزر گئیں جو جوانیاں وہ جمیلؔ آخر کہاں ملیں گی!
طویل سالوں میں جھانکتے ہیں، گئے مہینوں میں ڈھونڈتے ہیں

○

○

عجیب دوڑ ہے حرص و ہوا کی بستی میں
ہمیں تو کچھ نہ ملا اس خدا کی بستی میں
وہاں کسی نے نہ پوچھا کہاں سے آئے ہو!
گئے تھے ہم بھی اُسی آشنا کی بستی میں
وہاں تو کچھ بھی نہیں جز فریبِ مہر و وفا
کریں گے جا کے بھی کیا بے وفا کی بستی میں!
وہی تو حسن ہے جس کو ترس گئے ہم لوگ
وہی جو رنگِ چمن ہے صبا کی بستی میں
اس ایک قید سے نکلیں تو کوئی بات بنے
یہ کیسا خوف ہے کرب و بلا کی بستی میں!
کہیں تو کوئی ہمیں گوشۂ اماں بھی ملے
بلا کا شور ہے جرم و سزا کی بستی میں
ازل سے کشمکشِ مرگ و زیست جاری ہے
یہ کیا ہے کھیل، فنا و بقا کی بستی میں!
اگر رسائی ہو ممکن تو کچھ کھلے ہم پر
ہے کیسی آب و ہوا نارسا کی بستی میں!
وہی تو حشر ہے جو اب بھی دیکھتے ہیں جمیلؔ
وہی کہ حشر جو تھا کربلا کی بستی میں

○

○

ڈوبتی شفق سے روح لالہ فام ہو گئی
تو سحر تھا تیری زندگی کی شام ہو گئی
موت آئی اور تجھے بلندیوں پہ لے گئی
سرفراز تیری خواہشِ دوام ہو گئی
تو سفیرِ صبحِ نو تھا اس کا ہی صلہ ہے یہ
جب چلا تو روشنی سی گام گام ہو گئی
یوں تو آج تیرے جسم کا چراغ بجھ گیا
لو ابھر کے آبروئے سقف و بام ہو گئی
اک سفر کے بعد تو نئے سفر پہ چل دیا
کس نے کہہ دیا کہ زندگی تمام ہو گئی!
ہم سفر تھا ایک ایک مرحلہ حیات کا
منزلوں کی دید تجھ سے ہم کلام ہو گئی
جسم تیرا زیرِ خاک بھی مہک مہک اٹھا
جو کلی بھی کھِل گئی وہ تیرے نام ہو گئی

○

(رضا ہمدانی کی یاد میں)

○

کتنا شیریں سخن تھا، جو نہ رہا!
وہ عجب کوہکن تھا، جو نہ رہا
یوں تو سجتی ہیں محفلیں اب بھی
وہ خود اک انجمن تھا جو نہ رہا
اس کا دل آج بھی دھڑکتا ہے
جسم تو پیرہن تھا جو نہ رہا
اس کی یادیں ہیں سب تر و تازہ
وہ چمن در چمن تھا جو نہ رہا
نہر اس نے بہائی ہر دل سے
وقت کا کوہکن تھا جو نہ رہا
اپنا دکھ اس کو یاد ہی کب تھا
وہ تو سب کی دُکھن تھا جو نہ رہا

تیز گامی میں سب سے آگے تھا
کیسا اس کا چلن تھا جو نہ رہا

جس پہ فرزانگی بھی ہے قرباں
اس کا دیوانہ پن تھا جو نہ رہا

اس کی مٹی سے پھول کھلتے ہیں
گلستاں کی پھبن تھا جو نہ رہا

وہ تو زندہ دلوں میں آج بھی ہے
نہ کہو، کم سخن تھا جو نہ رہا

شعلۂ گل تھا وہ جمیل تھا وہ
اس کا سارا چمن تھا جو نہ رہا

○

(فارغ بخاری کی یاد میں)

○

خواب کیا دیکھے تھے ہم نے کیسی تعبیریں ملیں
فصلِ گل آنکھوں میں ہے پاؤں کو زنجیریں ملیں
زنگ آلودہ فضا میں صاف کیا آتا نظر!
دھندلی دھندلی آئینوں میں ساری تصویریں ملیں
اس گھنے گہرے اندھیرے میں نظر افروز ہیں
آشنا سی، دلربا سی ہم کو تنویریں ملیں
پے بہ پے جھونکوں نے گلشن کو معطر کر دیا
صبح کی تازہ ہوا میں کتنی تاثیریں ملیں!
داستاں یاد آ گئی ہم کو بھی رانجھےؔ یار کی
گاؤں سے آتے ہوئے رستے میں جب ہیریںؔ ملیں
یہ محبت کا فسانہ ختم ہوتا ہی نہیں
پیار کے اک لفظ میں کیا کیا نہ تفسیریں ملیں
ابتدا سے انتہا تک ان میں سب کچھ ہے جمیلؔ
وقت کی گفتار بن کر اپنی تحریریں ملیں

○

○

ابھی تو تا بہ افق اور تیرگی ہو گی
تم آؤ گے تو بہر سمت روشنی ہو گی

غموں کی یورشِ پیہم سے یوں اداس نہ ہو
وہ دور آئے گا جب ہر خوشی خوشی ہو گی

مہک اٹھے گا چمن ان کی نرم خوشبو سے
صبا چلے گی تو خنداں کلی کلی ہو گی

حقیقتیں جو ابھی گم ہیں کائناتوں میں
ہمارے سامنے ان کی تلاش بھی ہو گی

جو لے کے آئے گی اک روز ماورا کی خبر
اس انتہا پہ بھی پروازِ آگہی ہو گی

کبھی کسی کو کسی سے گلا نہیں ہو گا
کچھ اس طرح سے بسر اپنی زندگی ہو گی

ہماری حسِ سماعت اسے سنے گی جمیلؔ
وہ بات جو ابھی ہونٹوں پہ ان کہی ہو گی

○

○

رات دن آٹھوں پہر، اک خوف دامن گیر ہے
جیسے خود ہی آدمی کا آدمی نخچیر ہے
کیا عجب گر سب ہدف بھی بر سرِ پیکار ہیں!
خود بھی تو گھائل ہے وہ جس کی کماں میں تیر ہے
دیکھ چوراہے پہ ناحق خون میں ڈوبی ہوئی
کس جیالے نوجواں کی خوبرو تصویر ہے
وہ بھی دن تھے جب خود اپنے ہاتھ میں تقدیر تھی
اب مگر کیوں کُند اتنا ناخنِ تدبیر ہے!
میں تو صدیوں سے رہائی کے لئے بیتاب ہوں
جانے کب ٹوٹے گی یہ جو پاؤں میں زنجیر ہے
آزمائش کے یہ دن بھی ایک دن کٹ جائیں گے
اے مرے ہمزاد تو کیوں اس قدر دل گیر ہے!
میری اپنی آبرو ہے میرے ہی بس میں جمیلؔ
آرزو کا شہد ہی میرے لئے اکسیر ہے

○

○

ہمارے پاؤں کی زنجیر یہ زمانہ تو ہے
جمیلؔ قافلہ خوش دِلاں روانہ تو ہے
ذرا سی دیر کو برگد کی چھاؤں میں بیٹھیں
مسافروں کے لئے دل کشا ٹھکانہ تو ہے
وہ لوگ بھی ہیں مقدر ہے جن کا دربدری
ہمارے پاس مگر اپنا آشیانہ تو ہے
جہاں میں آئے ہیں کچھ کرکے جائیں دنیا سے
یہ زندگی کے لئے ایک تازیانہ تو ہے
سناتے آئے ہیں اس کو ازل سے تاامروز
لبوں پہ ایک محبت بھرا فسانہ تو ہے
رگوں میں پہلی سی گرمی نہیں رہی نہ سہی
ہمارا عشق مگر پھر بھی والہانہ تو ہے
زمانہ اپنا نہیں ہو سکا تو کیا غم ہے
زمانے بھر سے تعلق سا غائبانہ تو ہے
کہ ساتھ ساتھ جئیں اور زندہ رہنے دیں
اگر بہانہ بھی ہے' جاں فزا بہانہ تو ہے
جمیلؔ اپنے سوا وہ کسی کا بھی تو نہیں
یہ اور بات ادا اس کی دلبرانہ تو ہے

○

○

دیے ہمارے فروزاں ہیں سب مکانوں پر
کہانیاں ہیں محبت کی اب زبانوں پر
وہی جو قید سے آزاد کر چکے تھے ہمیں
لگا رہے ہیں وہ پابندیاں اڑانوں پر
زمیں پہ رہ کے بھی وہ بے خبر زمین سے ہیں
دماغ جن کا ہمیشہ ہے آسمانوں پر
جو بے وفا ہیں وفا کی امید کیا ان سے
ہے پھر بھی کیسا بھروسہ یہ مہربانوں پر!
جہاں سے بھیک بھی ملتی نہیں فقیروں کو
فقیر پھر بھی جھکے ہیں ان آستانوں پر
اٹھانا چاہیں بھی اس کو تو اٹھ نہیں سکتا
اک ایسا بوجھ ہے اب اپنے میزبانوں پر
یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے گرانیوں کے سوا
یہ لوگ مانگنے آئے ہیں کیا دکانوں پر!
کبھی تو اس کو چکانا ہے خون دے کے انہیں
زمیں کا قرض ہے جو اپنے پاسبانوں پر
جمیلؔ یوں تو مسخّر نہ ہو سکے ہم سے
نظر ہے پھر بھی ہماری نئے جہانوں پر

○

○

پرندوں کی اڑانوں میں نہیں ملتی طرح داری
کہاں جائیں ہوائیں ہی مخالف ہو گئیں ساری!
وہاں آسانیاں اتنی کہ روز و شب ہے سرشاری
یہاں ہر کام کے ہونے میں دشواری سی دشواری
اِدھر اندر بھی اور باہر بھی کیوں بنجر زمینیں ہیں
اُدھر تو ہر طرف صحراؤں سے چشمے ہوئے جاری
بہت گنجان آبادی میں کیوں ہے اتنی تنہائی!
بلا کا شور ہے کس کی کرے اب کون غم خواری!
کبھی دانشوروں کو ذات کے زنداں کا رونا تھا
جو اب دیکھا تو باہر بھی وہی ہے چار دیواری
وہیں ہر بار اک سیلاب سا اٹڈا اندھیروں کا
افق پر جب نظر آئی ذرا سی نور کی دھاری
بندھے تھے اپنے دونوں ہاتھ ایسے کیا تھی مجبوری!
کرشمے کیوں نہ دکھلاتی چھپے ہاتھوں کی فن کاری!
بصیرت آسمانوں سے پرے بھی دیکھ سکتی ہے
ہمیں تو آج بھی کہتی ہے یارو خود نگہداری
جمیلؔ اپنی وفا داری تماشا ہی نہ بن جائے
کسی عنوان تو پورا ہو اپنا خوابِ بیداری!

○

○

دن گزر جائیں گے آخر یہ عذابوں والے
موسم آئیں گے وہ سارے ہی گلابوں والے
خواب سچے ہوں تو سچ ہوتی ہیں تعبیریں بھی
روز یہ خواب دکھا جاتے ہیں خوابوں والے
کیوں نہ صحراؤں میں چشموں کے دریچے کھولیں!
ریت سے پیاس بجھاتے ہیں سرابوں والے
کیوں نہ آباد کریں اپنی نئی دنیائیں!
کیوں عذابوں میں رہیں سارے خرابوں والے!
چاہتوں ہی نے تو جیتی ہے دلوں کی بازی
نہ رہے ہیں نہ رہیں گے یہ عذابوں والے
زاہدوں ہی کا مقدر نہیں ہر کارِ ثواب
کام رندوں سے بھی ہوتے ہیں ثوابوں والے
خشک دھرتی پہ برس جائیں گے چھم چھم بادل
دن کوئی روک سکا ہے یہ سحابوں والے!
کبھی پرکھا بھی تو جائے گا کھرا اور کھوٹا
لو صداقت کی بڑھائیں گے نصابوں والے
روشنی کرتے رہیں گے یہ گھروں میں تقسیم
ہیں جمیلؔ اور سخیؔ، دل کی کتابوں والے

○

○

یہ مت کہو سکوں ہے فقط موت ہی کے پاس
اب بھی متاعِ دل ہے بہت زندگی کے پاس
اڑ اڑ کے جا رہے ہیں پتنگے اُسی طرف
کیا زندگی نئی ہے کوئی روشنی کے پاس!
دل اور دماغ اپنے لہو کے ہیں دو چراغ
سب روشنی اِنہی کی تو ہے آگہی کے پاس
دیکھی بھی ہے کسی نے کلی کی یہ بے کلی!
تخلیقِ گل بھی تو ہے اِسی بے کلی کے پاس
سب گرد اور خلوص اسی دل کے پاس ہے
ہے دشمنی کے پاس نہ ہے دوستی کے پاس
پہلے تو سارے روح کے نغمے تھے ساز میں
اب شور سن رہا ہوں یہ کیا نغمگی کے پاس!
دل مانتا نہیں ہے کہ تو نے بھلا دیا
اک حسنِ التفات بھی ہے بے رخی کے پاس
تو نے تو ہر عذاب سے مجھ کو بچا لیا
ہے کتنا حوصلہ بھی تری نازکی کے پاس!
دیکھی نہیں کسی بھی چکا چوند میں جمیلؔ
جتنی ہے آن بان تری سادگی کے پاس

○

○

خواب جھوٹے ہیں تو خوابوں کے عذابوں سے نکل
ریت کیوں پھانکتا رہتا ہے سرابوں سے نکل
اے محبت کے حسیں پھول کتابوں میں نہ رہ
پھیل خوشبو کی طرح اور کتابوں سے نکل
ہر بڑا کام یہ کہتا ہے کہ کچھ کرکے دکھا
نہ الجھ ان نیں' سوالوں سے جوابوں سے نکل
سوچتے رہنے سے یہ دور چلی جاتی ہے
سچ کی تعبیر ترے پاس ہے' خوابوں سے نکل
کاغذی پھول ہیں رکھے ہوئے گلدانوں میں
تو مہک ہے تو بہر سمت گلابوں سے نکل
میرے کھیتوں کو جلا دے گی کڑکتی ہوئی دھوپ
پہلی بارش کی دعا' اب تو سحابوں سے نکل
میں ہوں شہکار ترا مجھ سے تو چہرہ نہ چھپا
سارے رنگوں میں بکھر سارے حجابوں سے نکل
گہرے پانی میں اترنے سے صدف ملتے ہیں
گر بقا چاہیئے تجھ کو تو حبابوں سے نکل
شاعری کا بھی جمیلؔ اپنا نشہ ہوتا ہے
کیوں ہے محتاج شرابوں کا' شرابوں سے نکل

○

○

یوں خریدی ہے بھلائی سے برائی ہم نے
جو بھی نیکی تھی وہ دریا میں بہائی ہم نے
کیا تماشا ہمیں منظور تھا جل مرنے کا
گھر کو جب آگ لگی کیوں نہ بجھائی ہم نے!
کوئی سنتا ہی نہ تھا سب کو پڑی تھی اپنی
داستاں یوں تو جہاں بھر کو سنائی ہم نے
جاگتا بھی کوئی کیا' نیند میں تھی موت چھپی
دی ہے جا جا کے بھی در در پہ دہائی ہم نے
ہم سے بڑھ کر بھی سخی اور کوئی کیا ہو گا
دونوں ہاتھوں سے لٹا دی ہے خدائی ہم نے
اپنے ہاتھوں ہی سے مصلوب ہوئے ہیں آخر
بچ نکلنے کی بھی تہمت نہ اٹھائی ہم نے
توڑ سکتے نہیں کیا ایک ہی جھٹکے سے جمیلؔ
کیوں اٹھا رکھا ہے کشکولِ گدائی ہم نے!

○

○

تنہائی میں جاگ اٹھتے ہیں کتنے پیار پرانے!
آنکھ میں آنسو بن جاتے ہیں کیا کیا یار پرانے!
تجھ کو کیا معلوم کہ اپنا درد ہے اور طرح کا
تازہ کانٹوں سے بھی تیز ہیں اپنے خار پرانے
مانجھی سوچ میں گم ہے کیسے ساحل تک لے جائے
کشتی بھی ٹوٹی پھوٹی ہے اور پتوار پرانے
روگ سبھی کے کٹ جاتے ہیں کچھ کہتے' کچھ سنتے
آپس میں جب مل جاتے ہیں کچھ غم خوار پرانے
نئے زمانے میں وہ اگلے لوگ نہ اگلی باتیں
میخانے میں آ بیٹھے ہیں کچھ غم خوار پرانے
گھر میں ایک صدی رہتی ہے کتنی جاگتی جیتی
کچھ دو چار نئے چہرے ہیں کچھ دو چار پرانے
پھر بھی ان کی خوشبو کتنی پیاری کتنی تازہ
یوں تو میرے ہاتھ میں ہیں چاہت کے ہار پرانے
روز نئی سرخی لکھتا ہے آنے والا سورج
وقت اڑا کر لے جاتا ہے سب اخبار پرانے
آج کی تصویروں میں بھی سب رنگ جمیل ہمارے
کتنے نئے نئے لگتے ہیں سب شہکار پرانے

○

○

راہ دشوار ہے، اس راہ پہ تنہا نہ چلو
ہم رہِ خود نگراں، رہبرِ فرزانہ چلو
عقل کو بھی ملے دیوانگیٔ دل کا شعور
دلِ فرزانہ کے گھر بھی دلِ دیوانہ! چلو
روشنی ان کے جو اندر ہے اسے بھی دیکھو
جذبۂ دل میں لئے حدّتِ پروانہ چلو
کھیتیاں کرتے چلے جاؤ دلوں کی سیراب
کون کہتا ہے کہ تم صورتِ دریا نہ چلو!
ٹوٹ جائے گا یہ پھیلا ہوا زرتار طلسم
دست و بازو میں لئے ضربِ کلیمانہ چلو
جس کی میزان پہ تُل جاتا ہے لمحہ لمحہ
لے کے ہاتھوں میں کبھی ایسا بھی پیمانہ چلو
ازسرِنو تمہیں تاریخ رقم کرنی ہے
سچ کو عنواں کئے، افسانہ در افسانہ چلو
جانِ جاں تم سے تو صدیوں کی شناسائی ہے
شبِ ہجراں کی سحر یوں تو نہ بیگانہ چلو
تابکے سانس ہی گنتے چلے جاؤ گے جمیلؔ
لے کے اب بہرِ وطن جان کا نذرانہ چلو

○

مصنف: جمیل ملک
ولادت: ۱۲ اگست ۱۹۲۸ء راولپنڈی
تعلیم: ایم۔ اے اردو، ایم۔ اے فارسی، بی ایڈ،
ڈپلوما صحافت (پروفیسر ریٹائرڈ)

تصانیف:

۱. سروِ چراغاں (غزل)
۲. طلوعِ فردا (نظم)
۳. ندیم کی شاعری فکر، فن، شخصیت (تنقید)
۴. پردۂ سخن (غزل)
۵. پسِ آئینہ (نظم)
۶. شاخِ سبز (غزل)
۷. سجری چھاں (پنجابی شاعری)
۸. خورشیدِ جاں (نظم)
۹. صدف ریزے (ہائیکو)
۱۰. ادبی منظر نامے (تنقیدی مضامین)
۱۱. اوصاف (حمد و نعت)
۱۲. جھروکے (گیت)
۱۳. آساں پیاساں (پنجابی غزلاں)
۱۴. شائستۂ بہار (غزلیں)

زیر ترتیب و اشاعت:

(۱۵) عہدِ اقبال (تنقیدی مضامین) (۱۶) غزلیں (۱۷) ہائیکو (۱۸) نظمیں (۱۹) تنقیدی مضامین (۲۰) پنجابی شاعری

اعزازات:

۱. بہترین استاد کا ایوارڈ (ڈائریکٹوریٹ کینٹ اینڈ گیریژن تعلیمی ادارے پاکستان) ۱۹۸۱
۲. آدم جی ادبی ایوارڈ (پاکستان رائٹرز گلڈ "پسِ آئینہ" شعری مجموعہ) ۱۹۸۴ء
۳. نقوش ایوارڈ، بہترین شاعری ۱۹۸۷ء
۴. وثیقۂ اعتراف: مادرِ علمی گارڈن کالج راولپنڈی کی طرف سے (پچاس سالہ علمی اور ادبی خدمات) ۱۹۹۵ء
۵. رائٹرز کلب ایوارڈ (پچاس سالہ حسنِ کارکردگی) (ادب و شاعری) ۱۹۹۶ء
۶. پی ایف آئی ر مارگلہ وائنز اسلام آباد کیطرف سے ایوارڈ (زندگی بھر کی علمی و ادبی خدمات ۱۹۹۷ء)

تذکرے اور کوائف:

۱۹۷۰ء کی دہائی میں اشاعت پذیر ہونے والی استھلوجز میں
۱. "انٹر نیشنل ہو از ہو آف پوئٹری" (۲) "من آف اچیومنٹس" (۳) "انٹر نیشنل ہوز ہو آف انٹیلکچولز، انٹر نیشنل بائیوگرافیکل سنٹر (انگلینڈ)

ترتیب

--○--○--○--

○ جمیل ملک ان غزل گو شعرا سے بہت مختلف ہے جنہوں نے جدید غزل کو قدیم کلاسیکل رنگ پہنانے ہی پر اکتفا کی ہے۔ جمیل ملک روحِ عصر کے تقاضوں اور غزل کے امکانات کا بھی صحیح ادراک رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی غزل صحیح معنوں میں جدید غزل ہے۔

(فیض احمد فیض "سرودِ چراغاں" 1958ء)

○ جمیل ملک اپنی شاعری کو کسی مقررہ سانچے میں سے نہیں گزارتا بلکہ زندگی میں اسے جو کمی یا ادھورا پن' یا خوبصورتی یا لطافت نظر آتی ہے اسے وہ اپنے ذہن و شعور کی گرفت میں لا کر پرکھتا ہے۔ وہ حقیقت کے عقب میں ماورائے حقیقت کا کھوج لگاتا ہے۔ وہ جب پھول کو دیکھ کر سرشار ہوتا ہے تو پھول کی تخلیق کرنے والے مٹی سے سنے ہاتھوں کو بھی نہیں بھولتا جو پھولوں کی تخلیق کے لئے درکار ہوتی ہے اور اس حقیقت کو بھی نہیں بھولتا کہ پھول تخلیق کرنے والوں کی زندگی میں پھولوں کی کتنی کمی ہوتی ہے

(احمد ندیم قاسمی "پردۂ سخن" 1975ء)

○ جمیل ملک کی شاعری ایک ایسی خوش خرام ندی سے متعارف کراتی ہے جو بڑے سکون سے بہے چلے جا رہی ہو' بظاہر پایاب دکھائی دے مگر جب نیچے اترنے کی کوشش کریں تو بڑی گہری ہو۔ اس کی لہریں جو دور تک رسائی حاصل کرتی رہتی ہیں تو یہ ان کے فکر کی دو پرتیں ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ جب ایک پرت سے گزریں تو لاشعوری طور پر دوسری پرت پر پہنچ جاتے ہیں۔

(میرزا ادیب "شاخِ سبز" 1986ء)